فریضۂ دعوتِ دین

محمد اقبال مُلّا

فریضۂ دعوتِ دین

محمد اقبال مُلّا

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر
© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : فریضۂ دعوتِ دین
مصنف : محمد اقبال مُلّا
صفحات : ۱۷۸
اشاعت : جون ۲۰۲۰ء
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت : -/ روپے
مطبوعہ :

FARIZA-E-DAWAT-E-DEEN(Urdu)
By: Md Iqbal Mulla
Pages:178
Price: 00.00

ترتیب

پیش لفظ

فریضۂ دعوتِ دین کی اہمیت

دعوت سے مراد کیا ہے؟
ایک رب کا اقرار انسانی فطرت میں ہے
فرعون کے دربار میں داعی کی تقریر
دعوتِ دین کی حقیقت
فریضۂ دعوتِ دین کی نوعیت
مسلمان داعی ہیں مدعو نہیں
اسپین میں مسلمانوں کے زوال کا سبب
امت مسلمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا خصوصی انتظام
دعوت حق کو چھپانے کی سزا
فریضۂ دعوت سے غفلت کی مثال
دعوت دین-اتباع رسول ﷺ کا اہم تقاضا

دعوتِ دین اور قرآن مجید

قرآن مجید کتابِ دعوت ہے

برادران وطن سے مسلمانوں کا رشتہ
دعوت سے متعلق مسلمانوں کی بعض غلط فہمیوں کا ازالہ
مسلمان امت وسط ہیں
قرآن میں حضورؐ کی دعوتی جدوجہد کا تذکرہ
حجۃ الوداع اور تکمیل دعوت
دعوت کے سلسلے میں حضورؐ سے خطاب

نفرت اور ظلم کا جواب دعوت سے

دعوت شدید مخالفانہ ماحول میں بھی ضروری ہے
قرآنی انقلاب

دعوتِ دین اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ

رسول اکرمؐ کے لیے دعوت کے ابتدائی احکام
کوہ صفا پر دعوتِ عام کا اعلان

دعوت-فرد اور سماج کے سنگین مسائل کا واحد حل

مسائل پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟
غلط فہمیوں کا ازالہ
۱-انسانی مساوات اور انصاف کا فقدان
۲-فرقہ وارانہ منافرت اور کشیدگی کے ماحول میں قومی یکجہتی کا ماحول
۳-دعوت معاشی مسائل کا حل بھی پیش کرتی ہے
۴-سماجی خرابیوں اور اخلاقی بگاڑ کا حل صرف دعوت میں ہے
۵-ماحولیاتی آلودگی
۶-شراب
۷-اولڈ ایج ہومس

دعوت- احادیث اور واقعات کی روشنی میں

دعوت انسان کی فطرت ہے

دعوت اسلامی کا جامع دعوت

دعوتِ دین کی اہمیت

دعوت کی فضیلت اور ترغیب

دعوت قیام امن کی بنیاد

دعوت قیام عدل کا ذریعہ

دعوت کی فضیلت اور داعی کے لیے بشارتیں

دعوت میں دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی ہے

رسول اکرمؐ کی دعوتی تڑپ

طائف کا دعوتی سفر

صحابہ کرامؓ کی دعوتی جدوجہد

۱-حضرت ابوبکرؓ

۲-حضرت ابوذر غفاریؓ

۳-حضرت مصعب بن عمیرؓ

۴-حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ

۵-حضرت ضمام بن ثعلبہؓ

۶-حضرت عمرو بن مرہ الجہنیؓ

دعوت کا کام-موانع ومشکلات اور ان کا حل

دعوت سے غفلت کے مہلک نتائج

داعی کے بجائے مدعو

دعوتِ دین سے غفلت اور مسلمان

امانت میں خیانت
دعوت اسلاموفوبیا کے پروپیگنڈے کا جواب ہے
فریضۂ دعوتِ دین اور مسلم خواتین
مسلم خواتین کی صورت حال
دعوت اور صحابیات
حضرت خدیجہؓ کا دعوتی واقعہ
راہ دعوت میں حضرت اسماءؓ کا کردار
حضرت ام سلیمؓ کی دعوتی جدوجہد
وطنی بہنوں کی صورت حال
وطنی بہنوں میں دعوتی کام کی اہمیت کے بعض پہلو
وطنی بہنوں کے مسائل کا حقیقی حل
وطنی بہنوں میں دعوت کی کامیابی کے امکانات
مسلم خواتین کو دعوت کے لیے تیار کرنا
خصوصی تیاری
عملی طریقے
کتابیات

پیش لفظ

گزشتہ چند برسوں سے ہمارے ملک میں مسلمانوں کے اندر فریضۂ دعوتِ دین کی ادائیگی کے شعور اور جذبے میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کا خوش آئند پہلو یہ ہے کہ دعوتی کام کرنے والوں کی تعداد الحمد للہ بڑھ رہی ہے۔ مردوں اور خواتین کے ساتھ نئی نسل کے افراد بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ملک گیر سطح پر بعض تنظیمیں، افراد، شخصیتیں اور ادارے بھی اس کام کے لیے سرگرم ہیں۔ اس سلسلے میں بعض پہلو قابل توجہ ہیں۔

اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ تمام دعوتی سرگرمیاں اپنی جگہ قابل قدر ہیں، لیکن مسلمانوں کی اکثریت اب بھی اس سے غافل ہے۔ ملت کے دانش وران، قائدین، علمائے کرام، اعلیٰ تعلیم یافتہ، مرد و خواتین اس فریضے کی ادائیگی کے لیے کام نہیں کر رہے ہیں۔ ملک میں مسلمانوں کی شناخت بیس (۲۰) کروڑ سے زائد افراد پر مشتمل ایک اقلیت کی ہے، جو پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے، متعدد جماعتوں، تنظیموں اور مسلکوں میں منقسم ہے۔ ایک دین اور ایک مذہب کے حامل ہو کر بھی متحد اور متفق نہیں ہیں۔ ان کی پہچان ایک خالق کی کامل بندگی کرنے والے اور خدا ترس گروہِ انسانی کی نہیں ہے۔ کاش مسلمان ایک ایسا گروہ بنتے جو اس ملک کے تمام انسانوں سے محبت کرنے والے، کسی سے بھی نفرت نہ کرنے والے، ہر ظالم کے خلاف اور ہر مظلوم کی آواز ہوتے، نیز وہ ایک عالم گیر، آفاقی اور اصولی پیغام (بندگی رب) کے داعی ہوتے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کو ملک کی آزادی کے بعد فریضۂ دعوت دین کی ادائیگی کے لیے بہترین مواقع ملے تھے، لیکن انھوں نے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ آج بھی

دعوت کے بے شمار مواقع ہیں، لیکن ان کی عمومی غفلت اور لاپروائی کا وہی حال ہے۔ اس کا خمیازہ وہ بھگت رہے ہیں۔ ان کے علاوہ ملک کی دیگر مذہبی اقلیتوں اور محروم و مظلوم طبقات کو بھی بدترین حالات کا سامنا ہے۔ ان کے سامنے کوئی راہ نجات نہیں ہے۔ ملک کے موجودہ عام مسائل، جیسے اسلاموفوبیا، بدامنی، فساد اور بگاڑ، قتل ناحق وغیرہ کا بنیادی اور اہم سبب دعوت سے غفلت ہے۔

جب تک مسلمان بحیثیت ملت فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لیے آگے نہیں بڑھیں گے ملک اور خود ان کے حالات بدل نہیں سکتے۔

لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ ملک میں دعوت دین کا کام مختلف ذرائع سے جتنا بھی ہوا ہے اس کے نتائج نہایت حوصلہ افزا ہیں۔ اسلاموفوبیا کی مہم کے منفی اثرات کے باوجود برادرانِ وطن اسلام کے پیغام کو سن کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ داعی حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں، شکایت بھی کرتے ہیں کہ اتنی اچھی باتوں کو کیوں اب تک آپ نے چھپا کر رکھا؟ اس حوصلہ افزا ماحول میں مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا دعوت کے علاوہ کوئی دوسری راہ اور کامیابی کا کوئی دوسرا نسخہ ہے؟ دعوت کے فریضے کو کما حقہ ادا کر کے اس ملک کو بچانے کی آخری ذمہ داری مسلمانوں کے اوپر ہے۔ وہ بلا تاخیر دعوتی مشن پر لگ جائیں تو اس ملک کی بگڑی تقدیر سنور سکتی ہے، دعوت کی برکتوں کا مشاہدہ مسلمان ہی نہیں، بلکہ اہل ملک بھی کر سکیں گے۔

فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے تعلق سے ایک اہم پہلو، جس کی طرف سے مسلمان بالکل غافل ہیں، ہندوستانی سماج سے مسلمانوں کے تعلقات کا ہے۔ مسلمانوں کے تعلقات ان سے بہت کم زور ہیں۔ ایک مسلم خاندان دوسرے مسلم خاندان سے مل لیتا ہے، نئے تعلقات بناتا ہے، لیکن برادران وطن کے خاندانوں سے ملنا جلنا، ان سے تعلقات قائم کرنا، ان کی خوشیوں اور غموں کو شیئر (Share) کرنا عملاً نہیں ہوتا ہے۔ ان کی تقریبات میں مسلمان عام طور سے نہیں جاتے ہیں۔ اس کے برعکس معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ مسلمانوں کے گھرانوں (خاندان) سے برادرانِ وطن کی ملاقاتیں اور تعلقات نہیں ہیں۔ دعوت کی راہ میں یہ بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام شروع میں تو مشکل ہو سکتا ہے، لیکن ناممکن نہیں ہے۔

ہندوستانی سماج میں برادران وطن اور ان کے خاندانوں سے تعلقات اور روابط بڑھانا اور قائم رکھنا ایک مستقل ضرورت ہے، جس کے بے شمار فائدے ہیں۔

فروری ۲۰۲۰ میں کرونا وائرس کی عالم گیر وبا اور اس کے نتیجے میں لاک ڈاؤن کے دراز ہونے کی وجہ سے ہمارے ملک ہی میں نہیں، بلکہ پوری دنیا میں نفسا نفسی، خودغرضی اور انسانیت کے تئیں بے حسی کا دور دورہ ہے۔ اس دوران ہم دردی، محبت، بھائی چارہ اور انسانیت کے نمونے کم ہی سامنے آئے ہیں۔ ایسے حالات میں ہم دردی، دو میٹھے بول، کسی متاثرہ غیر مسلم خاندان کی مدد، ان کو مناسب مشورے دینا اور ان کی خیریت معلوم کرنا، ان سب کی دینی و دعوتی لحاظ سے کافی اہمیت ہے اور اس کے فائدے بہت زیادہ ہیں۔ صرف اس وبا اور لاک ڈاؤن ہی میں نہیں، بلکہ یہ مستقل ایک دینی اور دعوتی ضرورت ہے۔ وبا کے خاتمے کے بعد سماج سے رشتہ قائم کرنے سے مسلمانوں کے اخلاق، سیرت و کردار اور عملی رویوں سے اسلام کا تعارف ہوگا۔ مسلمان ان کے انسانی حقوق ادا کریں، حسن اخلاق سے پیش آئیں اور اسلامی رویہ اختیار کریں تو ان شاء اللہ اسلاموفوبیا کی مہم کبھی کام یاب نہیں ہوگی۔

یہ کتاب موجودہ حالات اور چیلنجز کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے عرب اور دنیا ظہر الفساد فی البر والبحر کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ اس وقت عرب میں حضرت محمد ﷺ اسلام کی دعوت کو لے کر اٹھے۔ پہلے عرب اور بعد میں جہاں جہاں یہ دعوت پہنچی وہاں سے فساد اور بحران کا خاتمہ ہوتا چلا گیا۔ آج اس ملک میں اسلام کی دعوت پھر سے مسلمان لے کر اٹھیں تو تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔

امید ہے کہ یہ کتاب تمام مسلمانوں، فارغین مدارس، خواتین اور نوجوانوں کے اندر جذبۂ دعوت بیدار کرنے اور انہیں میدان دعوت میں سرگرم عمل رکھنے کے لیے مفید ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، سکریٹری جماعت اسلامی ہند کا مشکور ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کے مسودہ کو بغور ملاحظہ فرمایا اور حسب ضرورت اس پر نظر ثانی کی۔ میرا شکریہ جناب ظہیر احمد، معاون شعبۂ دعوت کے لیے بھی ہے، جنھوں نے کافی اہتمام سے پروف ریڈنگ کی خدمت انجام دی۔ مجھے اس بات پر اطمینان حاصل ہے کہ کتاب کی تصنیف کے لیے جو نکات

ترتیب دیے گئے تھے اس کو ڈاکٹر محی الدین غازی، سکریٹری تصنیفی اکیڈمی نے پسند کیا۔ میں اس کے لیے موصوف کا شکر گزار ہوں۔

دعا ہے کہ جس مقصد کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمائے اور اس کا استفادہ عام کرے۔ وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب۔ آمین

نئی دہلی — محمد اقبال مُلّا

۸/اگست ۲۰۲۰ء — سکریٹری، شعبۂ دعوت، جماعت اسلامی ہند

فریضۂ دعوتِ دین کی اہمیت

'دعوت' سے مراد کیا ہے؟

دعوت ایک قرآنی اصطلاح ہے۔قرآن مجید میں اس کی مختلف تعبیرات آئی ہیں ۔ ہر تعبیر دعوت کے کسی نہ کسی پہلو کو وضاحت سے بیان کرتی ہے ۔حضور اکرم ﷺ کے مبارک ارشادات میں ان تعبیرات کے معنی اور مفہوم کی وضاحت ملتی ہے ۔حضور اکرم ﷺ کو نبوت سے قبل قبائلی زندگی ،مشرکانہ عقائد وتہذیب اور بت پرستانہ ماحول ملا تھا۔آپؐ نے اللہ کے رسول کی حیثیت سے قوم کو بندگیِ رب اور توحید کا پیغام سنایا،شرک کی تردید فرمائی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوکر اپنے اعمال کی باز پرس کا یقین دلایا۔یہی دعوت ہے۔یہ دعوت مکہ میں تیرہ (۱۳) سال اور مدینہ میں دس (۱۰) سال بغیر کسی انقطاع کے برابر دی جاتی رہی۔ سعید روحوں نے آگے بڑھ کر اسے قبول کرلیا اور انکار کرنے والوں نے شدید مخالفت،ظلم وتشدد اور غلط پروپیگنڈہ کے ذریعے دعوت کو ناکام بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔لیکن تیئس (۲۳) سال کی مسلسل کوششوں ،قربانیوں اور سرفروشانہ جدوجہد کے نتیجے میں عرب میں ایک پرامن اور عظیم انقلاب برپا ہوا۔

دعوت کی اصطلاح اور اس کی قرآنی تعبیرات کو ٹھیک سے سمجھنے کے لیے قرآن وحدیث اور اسوۂ رسول اکرمؐ کا مطالعہ ضروری ہے۔

دعوت دین کی بعض تعبیرات اس طرح ہیں:

- دعوت الی اللہ
- دعوت الی الخیر
- دعوت الی دارالسلام
- دعوت الی الجنۃ
- دعوت الی سبیل ربک
- شہادتِ حق

- شہادت علی الناس
- تبلیغ دین
- امر بالمعروف ونہی عن المنکر
- تواصی بالحق
- دعوت الی النجات

غرض یہ کہ دعوت سے مراد بندگانِ خدا کو اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی کی طرف بلانا اور پکارنا ہے اور تبلیغ سے مراد پہنچانا ہے۔ توحید کے پیغام کو پہنچانا، شرک سے بچنے کا پیغام، آخرت کی زندگی کے بارے میں لوگوں کو واقف کرانا اور رسالت اور ختم نبوت کی حقیقت سے واقف کرانا۔ اس دعوت سے ناواقف لوگ ان سب باتوں کو دل چسپی سے سنتے اور پسند کرتے ہیں، وہ ناراض نہیں ہوتے۔ یہ بات الگ ہے کہ وہ فوراً ان باتوں کو تسلیم نہ کریں۔ ان حقائق سے واقف کرانے اور سمجھانے والے داعیوں کی عزت اور احترام کرتے ہیں۔

ایک رب کا اقرار انسانی فطرت میں ہے

دعوت حق کا سب سے اہم اور بنیادی نکتہ اس کا انسان کی فطرت کے مطابق ہونا یا اس کی فطرت میں موجود ہونا ہے۔ یہ دعوت خلاف فطرت نہیں ہے۔ انسان کی فطرت، اس کے پورے وجود اور اس کے روح کی گہرائیوں میں ایک اللہ کے رب ہونے اور اپنی عبدیت کا شعوری اور واضح اقرار پیوست ہے۔ یہ اقرار انسان وقتی طور پر بھول سکتا ہے، لیکن اسے اس کے دل سے مٹایا نہیں جاسکتا۔ دعوت اسی اقرار کی یاد دہانی اور تذکرہ ہے۔ یہ اقرار انسان کے تحت الشعور میں محفوظ ہے۔ دعوت کا گہرا تعلق رب کی الوہیت و ربوبیت اور انسان کے بندہ ہونے کے اقرار سے ہے۔ قرآن میں اس حقیقت کو اس طرح پیش کیا گیا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ (الاعراف:۱۷۲)

''اور اے نبیؐ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انھیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا: ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر صاحبِ تفہیم القرآن اس طرح کرتے ہیں:

''جیسا کہ متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے، یہ معاملہ تخلیق آدم کے موقع پر پیش آیا تھا۔ اس وقت جس طرح فرشتوں کو جمع کر کے انسان اول کو سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر انسان کی خلافت کا اعلان کیا گیا تھا، اس طرح پوری نسل آدم کو بھی جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی اللہ تعالیٰ نے بیک وقت وجود اور شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی تھی۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابی بن کعبؓ نے غالباً نبیؐ سے استفادہ کر کے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس مضمون کی بہترین شرح ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے سب کو جمع کیا اور ایک ایک قسم یا ایک ایک دور کے لوگوں کو الگ الگ گروہوں کی شکل میں مرتب کر کے انھیں انسانی صورت اور گویائی کی طاقت عطا کی، پھر ان سے عہد و میثاق لیا اور انھیں آپ اپنے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے عرض کیا: ضرور آپ ہمارے رب ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم سب پر زمین و آسمان سب کو اور خود تمہارے باپ آدمؑ کو گواہ ٹھہراتا ہوں، تاکہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ خوب جان لو کہ میرے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں ہے اور میرے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ میں تمہارے پاس اپنے پیغمبر بھیجوں گا، جو تم کو یہ عہد و میثاق جو تم میرے ساتھ باندھ رہے ہو، یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا۔ اس پر سب انسانوں نے کہا کہ ہم گواہ ہوئے، آپ ہی ہمارے رب اور آپ ہی ہمارے معبود ہیں، آپ کے سوا نہ ہمارا کوئی رب ہے نہ کوئی معبود۔'' (تفہیم القرآن، جلد دوم، صفحہ ۹۶)

صاحب تفہیم القرآن نے اس مقام کی تفسیر کرتے ہوئے ایک یہ اہم نکتہ بیان کیا ہے کہ وہ غرض کیا ہے جس کے لیے ازل میں پوری نسل آدم سے اقرار لیا گیا تھا؟ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''وہ (غرض) یہ ہے کہ انسانوں میں جو لوگ اپنے خدا سے بغاوت اختیار کریں وہ اپنے اس جرم کے پوری طرح ذمہ دار قرار پائیں۔ انھیں اپنی صفائی میں نہ تو لاعلمی کا

عذر پیش کرنے کا موقع ملے اور نہ وہ سابق نسلوں پر اپنی گم راہی کی ذمہ داری ڈال کر خود بری الذمہ ہوسکیں۔ گویا بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ اس ازلی عہد و میثاق کو اس بات پر دلیل قرار دیتا ہے کہ نوع انسانی میں سے ہر شخص انفرادی طور پر اللہ کے الٰہ واحد اور رب واحد ہونے کی شہادت اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور اس بنا پر یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی شخص کامل بے خبری کے سبب سے یا ایک گم راہ ماحول میں پرورش پانے کے سبب سے اپنی گم راہی کی ذمہ داری سے بالکلیہ بری ہوسکتا ہے۔''

(تفہیم القرآن، جلد دوم، صفحہ ۹۷)

دعوت دراصل انسان کی فطرت سے اس قدر ہم آہنگ اور مطابقت رکھتی ہے کہ یہ ایک ہی سکّے کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ انسانی فطرت ہے اور دوسرا رخ دعوت۔ دونوں میں کسی طرح کا ٹکراؤ نہیں ہے، اسی لیے سعید روحوں کے سامنے، جب دعوت فطری اور اصولی طریقے پر پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے لپک کر قبول کر لیتے ہیں۔ اس طرح گویا اپنی فطرت کے بنیادی اور اہم تقاضے کو پورا کرتے ہیں۔ اپنے وجود اور روح کی دیرینہ طلب کی تکمیل میں کام یاب ہوکر بامراد اور فلاح یاب ہوجاتے ہیں۔ قرآن میں اس کا تذکرہ بڑے خوب صورت انداز میں کیا گیا ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

(الانعام: ۱۵۳)

''اور اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔ یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے، شاید کہ پرہیزگاری اختیار کرو۔''

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ۙ

(الروم: ۳۰)

''(اے نبیؐ اور نبیؐ کے پیرو!) آپ یکسو ہوکر اپنا رخ دین کی طرف سیدھا رکھیں۔

اللہ کی فطرت اختیار کرو، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق (فطرت) میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

دعوت جہاں اللہ کی خالص اور کامل بندگی، اطاعت اور فرماں برداری ہے وہیں وہ غیر اللہ کی جزوی یا کلی بندگی سے مکمل اجتناب یا دوری اختیار کرنا ہے۔ اس اہم حقیقت کو قرآن میں اچھی طرح واضح کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ (ہود: ۲۵، ۲۶)

''ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ (اس نے کہا): بے شک میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ بے شک مجھے تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف آتا ہے۔''

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ (الاعراف: ۳)

''لوگو! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو، مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو۔''

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (النحل: ۳۶)

''ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کردیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔''

قرآن کی روشنی میں طاغوت سے مراد وہ انسان ہے جو اللہ کا بندہ بن کر اس کی بندگی اختیار کرنے کے بجائے خود لوگوں کا خدا بن کر لوگوں سے اپنی اطاعت وفرماں برداری کرائے اور اس حالت میں کہ وہ خواہ خدا کے وجود کو تسلیم کرتا ہو، لیکن خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرانے پر مصر ہو یا لوگوں کو اس کا حکم دے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی 'طاغوت' کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خدا سے منہ موڑ کر انسان ایک ہی طاغوت کے چنگل میں نہیں پھنستا، بلکہ بہت سے طواغیت اس پر مسلّط ہوجاتے ہیں۔ ایک طاغوت شیطان ہے، جو اس کے سامنے نت نئی جھوٹی ترغیبات کا سدابہار سبز باغ پیش کرتا ہے، دوسرا طاغوت آدمی کا اپنا نفس ہے، جو اسے جذبات اور خواہشات کا غلام بنا کر زندگی کے ٹیڑھے سیدھے راستوں میں کھینچے کھینچے لیے پھرتا ہے اور بے شمار طاغوت باہر کی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بے شمار آقاؤں کا یہ غلام ساری عمر اسی چکّر میں پھنسا رہتا ہے کہ کس آقا (طاغوت) کو خوش کرے اور کس کی ناراضی سے بچے؟''

(تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ ۱۹۷)

چنانچہ دعوت اسلامی اللہ کی کامل بندگی اختیار کرنے کا پیغام دیتی ہے اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کا حکم دیتی ہے۔ اور سب سے بڑے منکر (یعنی شرک) سے باز رہنے کا انسان سے مطالبہ کرتی ہے۔

فرعون کے دربار میں داعی کی تقریر

فرعون کے دربار کا ایک فرد جو خود اسی کی قوم سے تھا، ایمان لا چکا تھا۔ اس کے ایمان کی کسی کو خبر نہ تھی۔ لیکن ایک ایسا موقع سامنے آیا کہ فرعون جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو جھٹلا چکا تھا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا تو اس مردِ مومن نے فیصلہ کیا کہ فرعون کے دربار میں اربابِ حلّ وعقد کے سامنے دعوتِ حق کو پیش کرے، خواہ اس کی جان چلی جائے۔ چنانچہ اس نے نہایت مؤثر پیرائے اور دردوسوز کے ساتھ انتہائی خیر خواہانہ جذبے سے فرعون اور اس کے اہلِ دربار کے سامنے دین کی دعوت دلائل کے ساتھ پیش کی۔ قرآن مجید نے اس کی اس دعوتی گفتگو کو اس طرح محفوظ کر دیا ہے کہ قیامت تک داعیانِ حق اس سے استفادہ کرتے رہیں گے:

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ

الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

(المومن: ۴۱۔۴۳)

''اے میری قوم! آخر یہ کیا ماجرا ہے، میں تم لوگوں کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم لوگ مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو! تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اس کے ساتھ ان ہستیوں کو شریک ٹھہراؤں جنہیں میں نہیں جانتا، حالاں کہ میں تمہیں اس زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف بلا رہا ہوں۔ نہیں، حق یہ ہے اور اس کے خلاف نہیں ہوسکتا کہ جن کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو ان کے لیے نہ دنیا میں کوئی دعوت ہے اور نہ آخرت میں، اور ہم سب کو پلٹنا اللہ ہی کی طرف ہے اور حد سے گزرنے والے آگ میں جانے والے ہیں۔''

دعوت کا اصل سرچشمہ اور منبع اللہ رب العزت کی عظیم اور بابرکت ذات ہے۔ اس کا مقصد دنیا کا سب سے عظیم اور پاکیزہ مقصد ہے، یعنی اس کے ذریعے بندوں تک اللہ کی ہدایت اور رہ نمائی پہنچے۔ دعوت کی حجّت بندوں پر پوری ہوجائے۔ یعنی اس کا تنہا حق ہونا اور اس کے خلاف دعوتوں کا باطل ہونا بندوں پر پوری طرح عیاں ہوجائے۔ اس کے بعد قبول دعوت یا انکار دعوت کے نتیجے میں اللہ اپنا فیصلہ نافذ کرے۔

اس دعوت کی تاریخ میں اس کی حریف اور مدّمقابل جو باطل دعوتیں سامنے آئیں، ان کا سرپرست شیطان ہے۔ کچھ مدت تک اپنا زور دکھا کر وہ سب فنا کے گھاٹ اتر گئیں۔ انسانیت کو بہت کم فائدہ ہوا، البتہ اس نے پوری انسانیت کو نقصان، گم راہی، فساد اور بگاڑ سے دوچار کردیا۔ یہ دعوت ایک نور ہے اور باطل دعوتیں صرف ایک ظلمت نہیں، بلکہ ظلمات ہیں۔

دعوتِ دین کی حقیقت

توحید ورسالت کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے اہم

فرائض اہل ایمان کے ذمے مقرر فرمائے ہیں۔ان فرائض کی ادائیگی اہل ایمان کر سکتے تھے، اللہ کو یہ بخوبی معلوم تھا۔ ہر طرح کے حالات، یہاں تک جنگ کے موقع پر بھی نما زفرض ہے۔ فرائض اسلام کی آداب وشرائط کے ساتھ ادائیگی کا اجر وثواب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا، خوش نودی اور جنت کی شکل میں ملے گا۔ یہ فرائض اہل ایمان کے اندر انفرادی اور اجتماعی طور پر زبردست کیرکٹر، نظم وڈسپلن، اصلاح وتربیت، شخصیت کے ارتقااور تکمیل ذات کے لیے ناگزیر ہیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر دعوت دین کا فریضہ بھی عائد کیا ہے۔اس کا اجر وثواب آخرت میں، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، ملے گا، لیکن دنیوی زندگی میں بھی اس کے بے شمار فائدے ہیں۔مثال کے طور پر قرآن کے الفاظ میں اس کے یہ فائدے ہیں:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف:۹۶)

''اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے، تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔''

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾ (نوح:۱۰۔۱۲)

''چنانچہ میں (نوحؑ) نے کہا: تم اپنے رب سے استغفار کرو، وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہیں مال اور بیٹوں سے بڑھائے گا اور تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور نہریں جاری کرے گا۔''

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فریضۂ دعوت دین کی حقیقت پر دل نشین انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لفظ اسلام کے معنیٰ ہیں اپنے کو سپرد کر دینا۔جس کا مطلب ہے کہ انسان اپنی زندگی کے اطوار واخلاق کو اپنے خالق ومالک اللہ رب العزت کی مرضی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اللہ رب العزت جو انسانوں کا خالق ہے وہ انسانوں کے مزاج، ضرورتوں اور

صلاحیتوں کو جانتا ہے۔ اس لیے اس نے جو طور طریقے انسانوں کے لیے پسند فرمائے ہیں وہ انسانوں کی ضرورت، طاقت اور صلاحیت کے مطابق ہیں اور وہ انسان کے لیے صلاح وفلاح کی ضمانت بھی دیتے ہیں۔ اسلام میں انہی ہدایات کو دین کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی دین کے ماننے والوں پر یہ ذمہ داری بھی رکھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو صلاح وفلاح کے مطابق بنانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس کے مطابق بنانے کی فکر کریں۔ اس کے لیے جو مناسب اور موزوں تدابیر ہیں وہ اختیار کریں۔ ان تدابیر کی ایک ترتیب رکھی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ ناواقف ہیں ان کو شفقت ومحبت کے ساتھ واقف کرایا جائے۔ اسی کا نام دعوت ہے۔''

(حالات حاضرہ اور مسلمان، صفحہ ۴۸)

فریضۂ دعوت دین سے غفلت کے مہلک نتائج کے بارے میں مولانا دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ کو یہ دعوت اس لیے قائم کرنے کے لیے کہا جارہا ہے کہ تم اس دعوت کے ذریعہ دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچاؤ اور دنیا کو جاہلیت (من مانی آزادی اور نفس پرستی) کی زندگی سے نکال کر دنیا کو اسلام (خدا پرستی اور کامل سپردگی) کی دعوت دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو دنیا میں فتنۂ کبریٰ اور فسادِ عظیم برپا ہوگا۔''

(امت مسلمہ کا فرض منصبی اور اس کے انقلابی اثرات، صفحہ ۸)

فریضۂ دعوتِ دین کی نوعیت

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فریضۂ دعوتِ دین کی نوعیت اور اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شہادت علی الناس یا تبلیغ دین محض بطور ایک نیکی اور دین داری کے مطلوب نہیں ہے اور نہ محض مسلمانوں کی تعداد بڑھانے کے لیے مطلوب ہے، بلکہ آں حضرت ﷺ کی بعثتِ عام کا جو مقصد اس امت کے ہاتھوں پورا ہونا ہے یہ اس کا مطالبہ ہے جو اللہ

کے ہر اس بندے کو ادا کرنا ہے جو آں حضرت ﷺ کی امت میں داخل ہے۔ یہ ایک فریضۂ رسالت ہے، جو آں حضرت ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امت پر ڈالا ہے۔ اگر مسلمان اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے تو وہ اس فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے جس کا بار اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ڈالا ہے اور اس کوتاہی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خیر امت کے اس منصب سے محروم کر دے جس پر اس فرض کی ادائیگی ہی کے لیے ان کو سرفراز فرمایا ہے اور ساری دنیا کی گم راہی کا وبال ان کے سر آئے، کیوں کہ آج خلق پر اتمام حجت کا ذریعہ یہی ہیں۔ اگر یہ اتمام حجت کے فرض کو ادا نہ کریں تو دنیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی گم راہیوں کے لیے یہ عذر کر سکتی ہے کہ تو نے جن کو شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ بنایا تھا اور جن پر ہماری رہ نمائی کی ذمہ داری ڈالی تھی انہوں نے ہمارے سامنے تیرے دین کی تبلیغ نہیں کی، ورنہ ہم ان ضلالتوں میں نہ پڑتے اور مسلمان اس الزام کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔'' (دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، صفحہ ۲۷)

اس ملک میں مسلمان تقریباً بیس کروڑ ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی یہ آبادی بڑی آبادیوں میں شمار کی جاتی ہے۔ لیکن مسلمان اس ملک میں داعی جماعت نہیں بن سکے، اگرچہ دعوت دین کا کام کرنے والی قابل احترام شخصیتیں، ادارے اور چھوٹی بڑی تنظیمیں موجود ہیں۔ مسلمانوں کی مجموعی شناخت ایک اقلیت یا قومی گروہ کی ہے۔ دیگر قوموں کی طرح وہ بھی ایک قوم ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ مسلمانوں کی بحیثیت قوم فریضۂ دعوت دین کی ذمے داری بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلمان اپنے کو انہی معنوں میں قوم سمجھنے لگے ہیں جس معنی میں دنیا کی قومیں اپنے آپ کو قوم سمجھتی ہیں۔ ان میں سے کوئی وطنیت کے سہارے اپنی قومیت کی دیوار کھڑی کرتا ہے، کسی نے نسل کو قومیت کا معیار سمجھا اور ان میں سے جو لوگ کچھ سمجھ رکھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان قوم قومیت اور نسل سے نہیں، بلکہ مذہب کی بنیاد پر قوم ہے، حالاں کہ حقیقت اس سے بھی بہت آگے ہے اور وہ یہ کہ

مسلمان وہ جماعت ہیں جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لے کر دنیا میں آئی ہے۔ اس پیغام کو قائم رکھنا، اس کو پھیلانا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، اس کی زندگی کا واحد فریضہ ہے۔ اس پیغام کے ماننے والوں کی ایک برادری ہے، جس کے کچھ حقوق ہیں اور یہی ان کی قومیت ہے۔ اس حقیقت کے نمایاں اور ظاہر ہونے کے بعد مسلمان قوم کا سب سے بڑا فرض اس پیغام الٰہی کی معرفت، اس کی بجا آوری، اس کی تعلیم، اس کی دعوت، اس کی اشاعت اور اس کے حلقہ بگوشوں کی ایک پوری برادری کا قیام اور اس کے حقوق کو بجالانا ہے۔'' (دعوت دین کا انبیائی اسلوب، صفحہ ۱۱)

مسلمان داعی ہیں مدعو نہیں

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو داعی امت بنایا ہے۔ یہ امت فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور اور مقرر ہے۔ امت اگر اس فریضہ کو داعی بن کر انجام دینے کے لیے تیار نہیں ہے تو لازماً مدعو بنے گی یا بنادی جائے گی۔ چنانچہ آج مسلمانوں کو مدعو بنانے کی کوششیں برابر جاری ہیں۔ مسلمان فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لیے اتنے سرگرم عمل نہیں ہیں جتنا انھیں مدعو بنانے والے سرگرم ہیں۔ غور فرمائیں کہ مسلمان مدعو کس دعوت کے لیے بنائے جارہے ہیں؟ کوئی برحق نظریہ، کوئی سچا دین، کوئی فطری اور اللہ کا عطا کردہ نظام حیات، کوئی ایسا نظریہ جو ان کے مسائل کا حل بن کر دنیوی سربلندی اور کامیابی عطا کرے اور اخروی نجات سے ہم کنار کرے۔ نہیں، بلکہ مسلمانوں کو حق سے باطل، نور سے ظلمت، ہدایت سے گم راہی کی طرف، دنیوی فلاح اور اخروی نجات سے محروم کرکے تباہی و بربادی اور اخروی زندگی میں جہنم کو آباد کرنے کی کوئی ایک نہیں، بے شمار باطل دعوتیں سرگرم عمل ہیں۔ وہ ان باطل دعوتوں کے مدعو بنے ہوئے ہیں۔ ان کو کھلم کھلا ارتداد کی دعوت دی جارہی ہے۔ کھلے طور پر کفر، الحاد اور شرک اختیار کرنے کے لیے کہا جارہا ہے۔ ان کو گھر واپسی کی دعوت دی جارہی ہے۔

دعوت مسلمانوں کے تحفظ، بقا اور تعمیر و ترقی کی خدائی تدبیر ہے۔ دعوت ایک اقدامی عمل ہے۔ آج ملک میں کروڑوں مسلمانوں کے لیے سنگین مسئلہ صرف جان کی حفاظت اور بقا کا نہیں،

بلکہ اسلامی شناخت کی حفاظت کا ہے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہ مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ اس کا ایک ہی حل ہے کہ مسلمان فریضۂ دعوتِ دین کے لیے آمادہ و تیار ہوں اور بلا تاخیر سرگرم عمل ہو جائیں۔ اس خدائی تدبیر کو چھوڑ کر مسلمانوں کے مختلف منصوبے، اسکیمیں اور تدبیریں وقتی، محدود اور عارضی فائدے تو پہنچا سکتی ہیں، لیکن اصل مسئلہ اپنی جگہ باقی رہے گا۔

ان حقائق سے واقف ہونے کے لیے اسپین میں مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیجیے۔ اس کی تاریخی دلیل سامنے آجائے گی۔

اسپین میں مسلمانوں کے زوال کا سبب

اسپین میں مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو (۸۰۰) سال تک شان دار حکومت (۹۵-۱۴۹۵) کی۔ بڑے بڑے خوب صورت شہر غرناطہ، اشبیلہ اور قرطبہ وغیرہ آباد کیے۔ بڑے بڑے محلات، عظیم الشان مساجد، شان دار مدارس، لائبریریاں اور کتب خانے بنائے، لاکھوں کتب اور مخطوطات جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ خوب صورت باغات اور شاہ راہیں بنائیں۔ ہزاروں علما، دانش ور، فضلا، فن کار اور ماہرین جمع کیے۔ علم و تہذیب کا عروج، شان دار تمدن، جس کی خوب صورتی، ظاہری حسن و شائستگی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تھی، لیکن اس طویل مدت میں انھوں نے دعوت کا کام نہیں کیا۔ وہ اس ملک میں ایک اقلیت کے طور پر داخل ہوئے تھے۔ ان کے لیے دعوت کے زبردست مواقع تھے، لیکن صدیوں کی حکم رانی کے بعد زوال کے وقت بھی وہ ایک اقلیت ہی رہے۔ ان کی تعداد حکومت کے خاتمے کے موقع پر ۳۰ تا ۳۵ فی صد تھی۔ ان کے علما و فضلا اور عوام نے دعوت کے کام سے غفلت برتی اور فریضۂ دعوت دین کو فراموش کر دیا۔

چنانچہ مسلمانوں کے وہ تمام شان دار کارنامے ان کو بچا نہیں سکے۔ وقت پر وہ کام نہیں آئے۔ شان دار حکومت، فوج، خزانے، عظیم الشان عمارات، علوم کی ترقی اور تہذیب و تمدن سے جان و مال کے تحفظ میں مدد نہیں ملی۔

ہمارے ملک بھارت کی تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ حضورؐ اور خلفائے راشدین کے مبارک دور ہی سے یہاں صحابہ کرامؓ کے ذریعے اسلام پہنچا شروع ہو گیا تھا۔ ان کے بعد تابعین

اور تبع تابعین ،صوفیا اور اولیائے کرام کے ذریعے اسلام پھیلا ۔کیرلا کے ساحل سمندر (بحیرہ عرب) کے قریب ایک مقام کوڈے بینگلور پر ساتویں صدی ہجری کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔حضرت مالک بن دینار ،حضرت حبیب بن دینار اور ان کی اہلیہ کی قبریں اسی مقام پر ہیں ۔ان بزرگوں کی پیروی اوران کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلمان دعوت دین کا کام برابر اور مسلسل کرتے رہتے تو آج اس ملک کی تاریخ کچھ اور ہوتی ۔مسلم بادشاہوں نے اس ملک میں خوب صورت شہر آباد کیے، مساجد تعمیر کرائیں۔ باغات اور شاہ راہیں بنائیں، عظیم الشان قلعے، محلات، عمارتیں بنائیں، عدل ومساوات کے ساتھ حکم رانی کی۔لیکن دعوت دین سے اکثر حکمرانوں نے غفلت برتی۔نتیجہ یہ نکلا کہ عبرت ناک زوال سے دوچار ہوئے اور محض ایک اقلیت بن کر رہ رہے۔صوفیائے کرام اور اولیا ہی تھے جنھوں نے دعوت دین کا علم بلند کیے رکھا۔

امت مسلمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا خصوصی انتظام

فریضۂ دعوت کی اہمیت کے سلسلے میں ایک اور پہلو سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا میں مختلف ادوار اور قوموں میں پیغمبروں اور نبیوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ صحیفے اور کتابیں بھی نازل ہوتی رہیں۔ان میں سے ہر پیغمبر یا نبی پوری دنیا کے لیے نہیں، بلکہ اپنی اپنی قوموں کے لیے بھیجے گئے۔صحیفے اور کتابیں بھی انھی قوموں اور زمانوں کے لیے بھیجی گئی تھیں۔ان میں سے کسی چیز کی حفاظت کی ذمے داری اللہ تعالیٰ نے خود نہیں لی۔ چنانچہ پچھلے پیغمبروں اور نبیوں کی تعلیمات، ان کی پاکیزہ سیرت اور ان کا پیغام کوئی چیز محفوظ نہیں رہی۔کتابیں اور صحیفے یا تو ضائع ہوگئے، یا اگر موجودہ ہیں تو ان میں اتنی تحریفات ہوگئی ہیں کہ اب اللہ کا کلام نہیں کے برابر ہے۔اس کی اصل ہدایت اور رہ نمائی اب ان میں نہیں مل سکتی۔ ان کی حیثیت ایک خاص قوم اور ایک خاص زمانے کے لیے تھی اس لیے ان میں کسی پیغمبر یا نبی کی رسالت اور ان کی کتاب کی حیثیت عالم گیر، آفاقی اور تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے لیے، یا قیامت تک کے لیے نہیں تھی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت آخری زمانے میں ہوئی ہے۔قرآن اور احادیث میں بتایا

گیا ہے کہ آپؐ آخری پیغمبر ہیں اور نبوت کا سلسلہ آپؐ پر ختم ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (الاحزاب:۴۰)

''لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں اور اللہ ہر چیز کا بخوبی علم رکھنے والا ہے۔''

اس آیت کی بہترین تشریح خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد سے ہوتی ہے:

''میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی، مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہارِ حیرت کرتے، مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبین ہوں۔'' (بخاری ومسلم)

اس مضمون کی حدیثیں مختلف کتب احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قیامت تک آپؐ کی نبوت قائم ہے۔ نجات کے لیے آپؐ پر ایمان لانا اور آپؐ کی پیروی اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی بعثت دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۵۸)

''اے رسولؐ! کہیے کہ اے انسانو! بے شک میں تم سب کی طرف اس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں جو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی زندگی بخشتا ہے، وہی موت دیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر۔ جو اللہ اور اس کے ارشادات پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی پیروی

اختیار کرو تا کہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔''

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پہلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام ہی انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔'' (مسند احمد)

اس حدیث کے بارے میں مولانا محمد فاروق خاں لکھتے ہیں:

''یہ آپؐ کی خصوصیت ہے کہ آپؐ تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں، جب کہ پچھلے انبیاء خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ جو ہدایت آپؐ لے کر آئے ہیں وہ سارے انسانوں کی مشترکہ میراث ہے۔ وہ کسی قوم کی مخصوص چیز نہیں ہے۔ وہ کسی کے لیے پرائی ہرگز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیؐ نے دعوت و تبلیغ کے کام کو اپنی قوم یا عرب تک محدود نہیں رکھا، بلکہ باہر کے لوگوں کو بھی آپؐ نے اسلام کی دعوت دی، مختلف بادشاہوں اور حکم رانوں کے نام دعوتی خطوط لکھے، اس غرض کے لیے اللہ نے آپؐ کو ایک ایسی امت عطا فرمائی جس کا فرض منصبی یہ قرار پایا کہ وہ آپؐ کے مشن کو لے کر اٹھے اور حق کے پیغام کو ساری دنیا میں عام کرے۔''

(کلام نبوت، جلد اول، صفحہ ۱۹۷)

جو کتاب اللہ کی طرف سے حضور اکرمؐ پر نازل کی گئی، یعنی قرآن مجید، اس کی حیثیت خود قرآن اور احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کے بعض ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ اور اس میں ہدایت کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں ہیں۔''

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي

الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ (یونس:۵۷)

''اے لوگو! تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس (قرآن کی) نصیحت آ گئی ہے۔ اور یہ شفا ہے ان (بیماریوں) کے لیے جو سینوں میں ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

اب دنیا کے ہر انسان کی نجات کے لیے لازمی ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ (المائدۃ:۱۵)

''(اے اہل کتاب!) تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جنہیں تم چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے۔''

دنیا کے تمام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آخری ہدایت نامہ ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ (الحجر:۹)

''بلاشبہ ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور خود ہی اس کو محفوظ رکھنے والے ہیں۔''

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدۃ:۴۸)

''اور ہم نے آپؐ کے پاس یہ کتاب بھیجی ہے۔ یہ حق لے کر آئی ہے اور اس آسمانی کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو اس کے آگے موجود ہے اور اس کی محافظ اور نگہبان ہے۔''

ایک اور اہم نکتہ بھی سامنے رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہ نمائی

(آخری اور مکمل ایڈیشن) کے طور پر اسلام کی تکمیل کا اعلان فرمادیا۔ قرآن مجید کی اس آیت پر غور کریں:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدۃ:۳)

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔''

صاحب تفہیم القرآن نے دین کو مکمل کر دینے کی وضاحت اس طرح کی ہے:

''دین کو مکمل کر دینے سے مراد اس کو ایک مستقل نظام فکر و عمل اور ایک ایسا مکمل نظام تہذیب و تمدن بنا دینا ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اصولاً یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے کسی حال میں اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ نعمت تمام کرنے سے مراد نعمتِ ہدایت کی تکمیل کر دینا ہے۔ اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے میری اطاعت و بندگی اختیار کرنے کا جو اقرار کیا تھا اس کو چوں کہ تم اپنی سعی و عمل سے سچا اور مخلصانہ اقرار ثابت کر چکے ہو اس لیے میں نے اسے درجۂ قبولیت عطا فرمایا ہے اور تمہیں عملاً اس حالت کو پہنچا دیا ہے کہ اب فی الواقع میرے سوا کسی کی اطاعت اور بندگی کا جوا تمہاری گردنوں پر باقی نہیں رہا۔ اب جس طرح اعتقاد میں تم میرے مسلم ہو اسی طرح عملی زندگی میں بھی میرے سوا کسی اور کے مسلم بن کر رہنے کے لیے کوئی مجبوری تمہیں لاحق نہیں رہی ہے۔'' (تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ ۴۴۴)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری پیغمبر ہیں اور قیامت تک کوئی اور پیغمبر یا نبی نہیں آئے گا۔ امت نے متفقہ طور پر قرآن و سنت کی روشنی میں علم و بصیرت کی بنیاد پر یہ عقیدہ اختیار کیا ہے، نیز حضور اکرمؐ کے بعد جو بھی مدعی نبوت یا پیغمبری کا دعویٰ کرے گا وہ کذّاب، یعنی جھوٹا ہے۔ اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضورؐ کے پیرو آغاز سے لے کر قیامت تک آخری امت ہوں گے۔ اب کوئی نئی امت برپا نہیں کی جائے گی۔ پچھلی امتوں کی طرح یہ امت صفحۂ ہستی سے نہیں

مٹے گی، یا پوری امت نعوذ باللہ حق سے منحرف نہیں ہوگی۔

پچھلے صفحات میں جو باتیں بیان کی گئیں ہیں یہاں ان کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:

اسلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام انسانوں کے لیے بحیثیت دین (یعنی مکمل نظام زندگی) بھیجا گیا ہے۔اس کو چھوڑ کر انسان کوئی دوسرا دین یا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرمائے گا۔ایسا فرد دنیا میں ناکام ہوگا اور آخرت میں بھی ناکامی اس کا مقدر ہوگی۔

- اس دین کو لانے والی ہستی اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں۔ان کی نبوت اور رسالت قیامت تک کے لیے ہے۔تمام انسانوں کے لیے ہے۔نجات کے لیے آپؐ پر ایمان لانا اور آپؐ کی پیروی کرنا لازمی ہے۔
- اس دین کو سمجھنے اور اس سے رہ نمائی حاصل کرنے کے لیے دو مستند ذرائع ہیں: ایک قرآن مجید، دوسرے حضرت محمد ﷺ کی سنت اور سیرت۔قرآن مجید آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب ہدایت ہے۔اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔پچھلی کتابوں کا احترام کیا جائے گا، لیکن ان سے ہدایت اور رہ نمائی حاصل نہیں کی جاسکتی۔
- مسلمان آخری امت ہیں۔ان کے بعد کوئی نئی امت برپا نہیں کی جائے گی۔دنیا میں ہر دور کے انسانوں اور قیامت تک نسل آدمؑ کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہ نمائی کیسے پہنچے گی؟ ختم نبوت اور ختم رسالت کے بعد اس کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے کہ امت مسلمہ کو کار نبوت اور کار رسالت یعنی دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری سونپی ہے۔اس کے لیے ضروری تھا کہ دین، قرآن اور صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ اور امت مسلمہ محفوظ ہوں۔ چنانچہ یہ محفوظیت برائے کار رسالت اور کار نبوت ہے اور اس کا انتظام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کیا گیا ہے۔

عام طور سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آخر پندرہ سو (۱۵۰۰) سال قبل کا دین اور قرآن مجید بدلے ہوئے حالات میں کیسے رہ نما ثابت ہوسکتے ہیں؟ جب کہ دنیا بدل گئی ہے، انسان بھی بدل گیا ہے اور زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسولؐ نے جو شریعت عطا کی ہے اس میں صرف وقتی، عارضی، مقامی اور قومی ضرورتوں کا خیال نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ وہ ایک عالم گیر، آفاقی اور دائمی وابدی شریعت ہے۔ اس میں اجتہاد کا دروازہ پہلے دن سے کھلا رکھا گیا ہے۔ اس میں ایسے بنیادی اصول اور ضابطے عطا کیے گئے ہیں جو قیامت تک انسان کو پیش آنے والے نت نئے مسائل اور معاملات زندگی کے حل کے لیے رہ نمائی کرتے ہیں۔ شریعت کے بنیادی اصولوں اور ضابطوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے:

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (یونس:۶۴)

''اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی۔''

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ (الانعام:۳۴)

''اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔''

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ (فاطر:۴۳)

''پس تم اللہ کی طریقوں میں تبدیلی نہیں پاؤ گے۔''

اسلام اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ انسانی زندگی اور زمانہ ارتقاپذیر ہے۔ اسے پیچھے کی طرف لوٹایا نہیں جاسکتا۔ اسلام کو اگرچہ تقریباً ۱۴۵۰ سال بیت چکے ہیں لیکن اس کی تعلیمات فرسودہ اور موجودہ انسان اور زمانے کے لیے غیر ضروری نہیں ہے۔ ترقی پذیر انسان، اس کے نت نئے مسائل اور جدید دور کا ساتھ دینے کی بات تو الگ ہے، اسلام تو ہر زمانے میں رہ نمائی کرتا ہے۔ انسان کے مسائل حیات کو حل کرتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام کے اصولوں اور ان کے انطباق میں لچک رکھی گئی ہے۔ فکر وعمل کے جمود سے بچایا گیا ہے۔ اجتہاد کا زرّیں اصول دنیا کے کسی فکر وفلسفہ اور مذہب میں نہیں ہے۔ یہ اصول صرف اسلام کے اساسی عقائد اور فکر پر مبنی ہے۔ اسلام خاندانی اور تمدنی زندگی سے فرار اور رہبانیت کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک حدیث سے اس کی قدر و قیمت اور ہر دور کے انسان کے لیے اس کے بیش قیمت رہ نمائی ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کا

گورنر بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا:

جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ اور قضیہ پیش ہوگا تو اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟

انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

آپؐ نے فرمایا:

''اگر کتاب اللہ میں (صراحۃً) تمہیں اس کے متعلق کوئی حکم نہ ملے؟'' انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں اللہ کے رسولؐ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

آپؐ نے فرمایا:

''اور اگر اللہ کے رسولؐ کی سنت میں بھی تمہیں اس کے بارے میں حکم و ہدایت نہ مل سکے؟''

انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لے کر اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس پر رسول اللہؐ نے ان کے سینے کو ٹھونکتے ہوئے شاباشی دی اور فرمایا:

حمد اور شکر ہے اس اللہ کے لیے جس نے رسول اللہؐ کے نمائندے کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی جو رسول خدا کو پسند ہے۔'' (ترمذی، ابوداؤد، دارمی بحوالہ کلام نبوت، جلد پنجم، ص ۵۶)

مولانا محمد فاروق خان اس حدیث کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

''یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کی فکر اور عقل کو بھی دین میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ دین کی بنیادی تعلیمات اور اس کے اصولوں کی روشنی میں عقل و فہم سے کام لے کر اہل علم ان مسائل کو بہ آسانی حل کر سکتے ہیں اور وہ ان معاملات اور قضایا کے فیصلے بھی کر سکتے ہیں جو بالکل ہی نئے قسم کے ہوں گے۔ جن کا ذکر کتاب و سنت میں نہ صراحۃً کیا گیا ہے اور نہ کیا جا سکتا تھا۔'' (کلام نبوت، جلد پنجم، ص ۵۶)

دعوت حق کو چھپانے کا سنگین جرم اور اس کی سزا

دعوت حق اللہ تعالیٰ کی ہدایت، رہ نمائی اور زندگی کے لیے اس کے احکام پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام انسانوں کے لیے عام کیا ہے اور ان کو اس کے قبول یا رد کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ اس میں انسان کا بڑا امتحان اور آزمائش ہے کہ وہ غیبی حقیقتوں اور اس دعوت حق کو عقل و بصیرت اور اپنے مفاد کی خاطر بغیر دیکھے قبول کر کے ایمان لاتا ہے یا نہیں؟ اس دعوت کو کسی خاص نسل، قوم، رنگ و زبان یا زمانے کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا ہے۔ ہوا، پانی اور غذا کی طرح یہ ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔

دنیا میں پہلے سے جو لوگ اس دعوت کے حامل ہیں ان کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ اس سے جو لوگ محروم ہیں ان تک اسے پہنچائیں۔ اپنے قول اور عمل سے اس کی گواہی ان پر اس طرح پیش کریں کہ ان پر حجّت قائم ہو جائے۔ دین کے فرائض اور واجبات وغیرہ پر عمل کرنا جتنی بڑی سعادت ہے اتنی ہی بڑی سعادت اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ دعوت کی ڈیوٹی انجام دینا بھی ہے۔ دعوت حضورؐ کی عظیم ترین سنت ہے۔ دور نبوت میں یقیناً ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا، جب حضورؐ کی توجہ اس جانب نہیں رہی ہو۔ دعوت پہنچانا انسانیت کی سب سے بڑی خدمت اور سب سے بڑا خیر اور بھلائی کا کام ہے۔ کیوں کہ قبول دعوت کے نتیجے میں انسان کی دنیا کام یاب ہوتی ہے اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے نجات ملتی ہے۔ اس کے ساتھ بڑھ کر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دعوت کو عام کرنا تمام مخلوقات کے حق میں بھی خیر ہی خیر ہے۔ دعوت اس دنیا کا ایک ایسا خیر ہے جس کی برکتوں، رحمتوں اور فائدوں کا دائرہ نہ صرف تمام انسانوں، بلکہ تمام مخلوقات تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ بھی ایک اہم حقیقت ہے کہ دعوت حق سے محرومی کا وبال سب کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں دعوت حق کی اہمیت، فضیلت اور کام یابی کی بشارتوں اور اس کے اجر عظیم کا جہاں تذکرہ ہے وہیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس فریضہ سے غفلت اور اس کو چھپانے کے کیا نقصانات ہیں؟ اس سلسلے میں چند منتخب آیات قرآنی ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا
بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ﴿١٥٩﴾
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ (البقرۃ:۱۵۹،۱۶۰)

''جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں درآں حالے کہ ہم انھیں سب انسانوں کی رہ نمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرلیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں، میں ان کو معاف کردوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔''

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس سے مراد ہیں یہود کہ توریت میں جو آپ کی تصدیق تھی اس کو اور تحویل قبلہ وغیرہ امور کو چھپاتے تھے اور جس نے غرضِ دنیا کے واسطے اللہ کے حکم کو چھپایا وہ سب اس میں داخل ہیں۔ لعنت کرنے والے یعنی جن وانس وملائکہ، بلکہ اور سب حیوانات کیوں کہ اُن کی حق پوشی کے وبال میں جب عالم کے اندر قحط، وبا اور طرح طرح کی بلائیں پھیلتی ہیں تو حیوانات بلکہ جمادات تک کو تکلیف ہوتی ہے اور سب اُن پر لعنت کرتے ہیں۔ اگرچہ اُن کی حق پوشی کے باعث بعض آدمی گم راہی میں پڑ گئے، لیکن جب انہوں نے حق پوشی سے توبہ کرکے اظہارِ حق پوری طرح کردیا تو اب بجائے لعنت ہم ان پر رحمت نازل فرماتے ہیں، کیوں کہ ہم توّاب اور رحیم ہیں۔''

(تفسیر عثمانی، ص ۳۰)

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ بات یہاں یاد رکھنی چاہیے کہ جس طرح اصطفاء یعنی کسی امت کا دین کی امامت کے لیے منتخب کیا جانا اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اسی طرح یہ لعنت اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑی سزا ہے کہ جس قوم کو یہ سزا دی جاتی ہے وہ دنیا میں توفیق ہدایت اور منصب امامت سے محروم کرکے ذلت وخواری میں مبتلا کردی جاتی ہے اور آخرت میں اس کے لیے ابدی سزا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی حق پوشی

سے صرف اپنی ہی ضلالت کا سامان نہیں کرتی بلکہ راہ کے نشاناتِ ہدایت غائب کرکے دوسرے بے شمار لوگوں کو بھی گم راہی اور ہلاکت میں مبتلا کرتی ہے۔''

(تدبر قرآن، جلد اول، صفحہ ۳۸۸)

اس گفتگو کا ایک نہایت اہم پہلو قابل توجہ یہ ہے کہ آج تک اس ملک میں جو دعاۃ، شخصیتیں، گروپس اور چھوٹی بڑی تنظیمیں دعوتی کام کررہی ہیں اور جن کی برادران وطن تک رسائی ہوتی ہے، ان کا بالعموم انھوں نے استقبال کیا ہے۔ ان کی ان کوششوں کو سراہا ہے۔ ان کی جانب سے ایسے تاثرات سامنے آئے ہیں کہ یقین کرنا مشکل ہے۔ مثلاً کہیں انھوں نے کہا کہ آپ ہمارے گھر نہیں آئے، بلکہ بھگوان ہمارے گھر آئے ہیں۔ کبھی وہ کہتے ہیں: آپ نے بہت دیر کردی۔ آپ کو بہت پہلے آنا چاہیے تھا۔ کہیں یہ تاثر سامنے آیا: یہ بہت مبارک اور ضروری کام ہے، آپ اس کام کو جاری رکھیں، ہم آپ کا تعاون کریں گے۔ ایک تاثر یہ بھی سامنے آیا کہ ''اگر یہی اسلام ہے جو آپ پیش کرتے ہیں تو اس کی مخالفت کیسے کی جاسکتی ہے؟ یہ تو ستیہ ہے۔'' یہاں تک کہ برادران وطن یہ بھی کہتے ہوئے پائے گے ہیں کہ اگر یہی اسلام ہے تو پھر اس پر چلنے والے لوگ کہاں ہیں؟ ایک پولیس تھانے میں آفیسر نے ایک داعی سے کہا کہ مولوی صاحب! آپ کی باتیں اچھی ہیں، مسلمان یہاں مختلف مسائل اور شکایات کے لیے تھانے میں آتے ہیں، لیکن وہ ہمیں یہ باتیں نہیں بتاتے۔ یہ باتیں بتانے کے لیے آپ کو دو ہزار کلومیٹر دور سے آنا پڑا۔ یہاں کے مسلمان ہمیں یہ باتیں کیوں نہیں بتاتے؟ آخر ایسا کیوں ہے؟

یہاں تمام تاثرات کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے، لیکن اسی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہاں کے عوام دعوت کے حوالے سے قرآن، حضرت محمد ﷺ اور اسلام کے پیغام سے نفرت نہیں کرتے، بلکہ اس کو پسند کرتے ہیں۔ ان باتوں کو سن کر وہ ناراض نہیں ہوتے، بلکہ وہ خوش ہوتے ہیں۔ ذرا غور کیجیے کہ مسلمانوں کے لیے ایسے حالات میں دعوت کے حوالے سے کوشش نہ کرنے پر کیا کوئی عذر اللہ کی بارگاہ میں قابل قبول ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی عذر ہے ہی نہیں۔ فرض کریں کہ دعوت پیش کرتے ہی شدید مخالفت ہوتی، ظلم وزیادتی کی جاتی، یا لوگ بات سننے کے لیے تیار نہ ہوتے تو ایک معقول عذر ہوسکتا تھا۔ مسلمان اللہ کے حضور عرض کرسکتے

تھے کہ شدید مخالفت اور ظلم وستم کے ماحول میں ہم دعوت کا کام نہیں کر سکتے تھے۔لیکن جب مخالفت نہ ہوتو کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔

اس طرح کے تاثرات ایک نمونہ ہیں۔ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو بھرپور مواقع حاصل ہیں کہ وہ پورے ملک میں برادران وطن کے سامنے اسلام کا تعارف کرائیں۔حضرت محمد ﷺ کی مبارک سیرت، پیغام اور تعلیمات کو پیش کریں اوران کو سیرت پاکؐ کے واقعات سنائیں،تو برادران وطن متاثر ہوتے ہیں اور رونے لگتے ہیں۔

اگر مسلمان فریضۂ دعوت سے جان چرائیں گے تو اس کا خمیازہ اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی کی صورت میں بھگتنا پڑسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ (البقرۃ:۱۶۱-۱۶۳)

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی،فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی۔اور تمہارا معبود ایک ہی ہے،اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ نہایت مہربان،رحم کرنے والا ہے۔''

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے صاحبِ تدبر قرآن فرماتے ہیں:

'''جن لوگوں نے کفر کیا اور حالتِ کفر ہی میں مرے' سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی ضد پر اڑے رہ گئے اور توبہ واصلاح اور اظہار واعلان حق سے محروم ہی دنیا سے اٹھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق پوشی ایک ایسا جرم ہے جو ان کی دین داری کی دوسری باتوں اور ان کے ایمان اور محبت الٰہی کے تمام دعووں کو بالکل باطل کر دے گا اور اس کی پاداش میں وہ اللہ،اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کے سزاوار ہوں گے۔

یہاں اللہ کی لعنت کے ساتھ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کا ذکر اس اجمال کو واضح کررہا ہے، جو اوپر والی آیت کے الفاظ یلعنھم اللاعنون میں موجود تھا اور الناس اجمعین کی قید یہ حقیقت واضح کررہی ہے کہ قیامت کے روز جب اصل حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو صرف نیک لوگ ہی ان پر لعنت نہیں بھیجیں گے، بلکہ وہ گنہ گار بھی ان پر لعنت بھیجیں گے جو ان کی پیروی میں گم راہ ہوں گے۔''

(تدبر قرآن، جلد اول، صفحہ ۳۸۸-۳۸۹)

قرآن مجید کی ان دو آیات میں بتایا گیا ہے کہ دعوت حق اور اس کی شہادت کو چھپانا کتنا خوف ناک جرم ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ (البقرۃ:۱۴۰)

''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا کی شہادت کو، جو اس کے پاس کتاب میں موجود ہے، چھپائے اور جو کچھ تم لوگ کررہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ (البقرۃ:۱۷۴)

''حق یہ ہے کہ جو لوگ ان احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں اور تھوڑے سے دنیوی فائدوں پر انہیں بھینٹ چڑھاتے ہیں، وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ہرگز ان سے بات نہ کرے گا نہ انہیں پاکیزہ ٹھہرائے گا اور ان کے لیے دردناک سزا ہے۔''

آج اس ملک میں مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں ان میں قرآن مجید کی یہ رہ نمائی بہت اہم ہے۔ مسلمانوں کو اس کی روشنی میں دعوتی منصوبہ بنا کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۡ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝

(آل عمران:۱۸۶)

''مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی اور تم اہلِ کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔ ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا، انھیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا، مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا۔ کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔''

فرض کیجیے، چند مٹھی بھر لوگ اپنے مفاد، دیگر انسانوں پر اپنی بالادستی اور مجرمانہ ذہنیت کے ساتھ سورج کی روشنی اور حرارت، ہوا اور صاف پانی پر قبضہ جما کر عام انسانوں کو اس سے محروم کرنے کی کوشش کریں۔ تو کیا یہ ایک عظیم جرم اور انسانیت کے لیے انتہائی مہلک ثابت نہ ہوگا؟ ان چیزوں سے محرومی کے نتیجے میں انسانوں کی طبعی موت واقع ہوجائے گی۔ لیکن خدا کی ہدایت وراہ نمائی، دعوت حق کے ذریعہ اس کو تمام انسانوں تک پہنچانے کے بجائے کوئی گروہ اس پر قبضہ جما کر بیٹھ جائے اور خود بھی پورا فائدہ نہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی اس سے محروم رکھے۔ تو یہ شدید جرم انسانیت کے تئیں ہوگا اور اس کا انجام اخروی زندگی میں خوف ناک عذابِ جہنم کی شکل میں ہوگا، اللہ کی پناہ! اس کا دنیوی نتیجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ دعوت حق نہ دی جائے تو کفر وشرک اور الحاد، خدا سے سرکشی اور بغاوت کی راہ پر آنکھیں بند کرکے چلنے والے انسان تباہ وبرباد ہوجائیں گے۔ کیوں کہ اس دنیا میں وہ لازماً ایسے بگاڑ کا شکار ہوجائیں گے کہ خدا کے عذاب کے مستحق قرار پائیں۔

فریضۂ دعوت سے غفلت کی مثال

فریضۂ دعوت دین کی اہمیت ،ضرورت اورافادیت نیز اس فریضے کی ادائیگی سے غفلت برتنے یا اس کو ترک کر دینے کے مہلک نقصانات اور اس کے نتیجے میں ہونے والی عام تباہی و بربادی کو ایک مثال کے ذریعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

فرض کیجیے، کسی ملک میں ایک عظیم الشان حکومت قائم ہے اور یہ حکومت کام یابی سے چل بھی رہی ہے۔اس ملک کے دور دراز حصے میں ایک اہم مقام پر بڑی آباد بستی ہے۔اس مقام کے قریب میں ایک بڑا دریا بہتا ہے۔حکومت کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ دریا میں موسم برسات میں اکثر طغیانی اور سیلاب کے سبب زبردست جانی و مالی نقصانات ہوتے ہیں۔آبادی کا بڑا حصہ اجڑ جاتا ہے اور فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔اس صورت حال کے مدنظر حکومت نے انجینئروں کی ایک ٹیم ترتیب دی اور اس کا ایک سربراہ مقرر کیا۔اس ٹیم کو یہ اہم ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ایک زبردست ڈیم (بند) تعمیر کریں۔اس کے لیے ایک مدت مقرر کی گئی۔انجینئروں کو تمام تفصیلات سے آگاہ کیا گیا۔ باقاعدہ معاہدہ کیا گیا۔سابق میں حکومت نے چند مواقع پر دوسری ٹیم کو مقرر کر کے یہ ذمہ داری سونپی تھی، معاہدہ بھی ہوا تھا،لیکن سابق ٹیم نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی، بلکہ اسے بالکل بھول گئے اور معاہدہ کی سراسر خلاف ورزی کر کے حکومت کی جانب سے فرد جرم ثابت ہونے کے بعد سزا کے مستحق قرار پائے، چنانچہ اس ٹیم کو عبرت ناک سزا دی گئی۔اب اس نئی اور تازہ دم ٹیم کو حکومت نے یہ سب باتیں بتا کر وعدہ کیا کہ اگر یہ ٹیم کام یاب ہو گئی تو زبردست انعام واکرام سے نوازی جائے گی۔سابق ٹیم کی تاریخ سے بھی آگاہ کیا گیا۔اس کے انجام سے سبق حاصل کرنے اور مہلک غلطیوں سے بچ کر رہنے اور ان کی ذمہ داری یعنی ایک عظیم الشان بند تعمیر کرنے کی یاد دہانی کرائی گئی۔ بند کی تعمیر کے بعد توقع تھی کہ سیلاب اور طغیانی سے بستی کی حفاظت ہوگی۔ بند تعمیر ہونے کے بعد کاشت کاری اور بجلی کی پیداوار سے آبادی کی مادی ترقی اور خوش حالی کا دور دورہ ہوگا۔

یہ حکومت کی ذمہ داری تھی کہ اس ٹیم کو درکار تمام ضروریات، آسائشیں اور سہولیات

فراہم کرے۔ چنانچہ حکومت نے نہایت باریک بینی سے جائزہ لے کر تمام سہولتیں فراہم کرنے کا خصوصی اہتمام کیا۔ ٹیم کو کچھ بھی شکایت نہیں تھی کہ انہیں ضروری اشیاء فراہم نہیں کی گئیں۔ اس طرح بند (ڈیم) کی تعمیر کے لیے درکار تمام اشیا بھی فراوانی سے فراہم کی گئیں۔

اس نئی اور تازہ دم ٹیم کے لیے بڑی بڑی اور کشادہ قیام گاہیں (مکانات)، خوب صورت پارک، عبادت گاہیں، شاپنگ مال، ایر پورٹ، ریلوے اسٹیشن، وسیع شاہ راہیں، تعلیمی ادارے، اسپتال، لائبریریاں، بازار اور ٹیم کو کام کرنے کے لیے شان دار آفس فراہم کیا گیا اور حفاظت کے لیے سیکورٹی کا بندوبست بھی کیا گیا۔

اب یہ ٹیم وہاں جاتی ہے، رہائش گاہوں میں قیام پذیر ہوتی ہے۔ تمام سہولتوں اور آسائشوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتی ہے۔ اس کے بعد ٹیم آفس میں میٹنگ کر کے اپنے کام کے سلسلے میں منصوبہ بناتی ہے، لیکن ایک ناقابل یقین، حیرت انگیز اور نہایت افسوس ناک واقعہ پیش آتا ہے۔ ٹیم ڈیم کی تعمیر کا نقشہ بنانے کے بجائے تفریح گاہوں، سوئمنگ پولس، تعلیم اور ریسرچ کے اداروں کی تعمیرات کا نہ صرف ماسٹر پلان بناتی ہے بلکہ کام کا آغاز کر دیتی ہے۔ ان میں سے کچھ حضرات رشوتوں اور دیگر ذرائع سے آمدنی بٹور کر زمین جائیدادیں بنانے میں لگ جاتے ہیں۔ کچھ اپنی اولاد کے معاشی اور مادی ترقی کے مستقبل کے خوابوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ کسی کو دھیان ہی نہیں آتا کہ ان کی اصل ذمہ داری ڈیم بنا کر پوری آبادی کو سیلاب اور طغیانی سے بچانا ہے۔ غور فرمایئے کہ ٹیم کی اصل ذمہ داری کیا تھی؟ حکومت نے اس ذمہ داری پر فائز کرنے سے پہلے کتنا اہتمام کیا۔ سابق ٹیم کے مشن اور غفلت اور ناکامی سے آگاہ کیا۔ اس سے بچنے کی تلقین کی، ڈیم کی تکمیل پر زبردست انعام کا اعلان کیا۔ اس کے لیے ہر طرح کی سہولتیں اور آسائشیں فراہم کی گئیں، لیکن نئی ٹیم نے سابق ٹیم کی ناکامی اور عبرت ناک انجام سے کوئی سبق نہیں لیا اور اسی غلطی کو دہرانے لگ گئی۔

المیہ یہ ہوا کہ ٹیم کے اندر محدود تعداد میں وہ حضرات بھی تھے جنھوں نے اسے اصل مقصد یاد دلایا اور بار بار یاد دہانی کرائی۔ ادھر بستی والوں نے ٹیم اور اس کے لیے حکومت کے انتظامات کو دیکھ کر توقع باندھی تھی کہ اب ان کے لیے سیلاب اور طغیانی کی تباہ کاریوں سے

حفاظت کے لیے ٹیم کا تعمیر کردہ ڈیم کافی ہوگا۔ بار بار کی یاد دہانیوں کا حاصل کچھ نہیں نکلا۔ ٹیم اپنی ذمے داری سے بالکل غافل ہوگئی اور اپنے ہی خیر خواہوں کی نصیحتوں کو سنی ان سنی کر دیا۔ ٹیم کو اصل ذمہ داری کی یاد دہانی کے ساتھ ساتھ وارننگ بھی ملی کہ خطرہ سر پر ہے، موقع ہے، سنبھل جائیں اور اپنی ذمہ داری کو پورا کریں لیکن یا حسرتا کہ ٹیم پوری طرح سے غافل ہوکر اپنی مرضی کے کاموں میں مشغول ہوگئی۔ بالآخر دریا کے سیلاب، طغیانی اور طوفان بادوباراں نے پوری آبادی کو ہلاک کر دیا۔ ٹیم اس انجام سے کہاں بچ سکتی تھی۔ وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوگئی۔

اس مثال میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی پوزیشن دیگر قوموں کے درمیان رہتے ہوئے کتنی اہم اور نازک ہے۔ انجینئروں کی ٹیم سے مراد مسلمان ہیں، جنھوں نے اپنے فریضۂ دعوت کو بالعموم بھلا دیا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اگر انجینئروں اور ان کی ٹیم نے اپنے اجتماعی فرض یا ڈیوٹی کو ادا کیا ہوتا یعنی بند تعمیر کر دیتے تو نہ صرف دوسری قوموں اور آبادی ہی کی حفاظت ہوجاتی، بلکہ اس کے نتیجے میں وہ خود محفوظ ہوجاتے۔ سابق ٹیم سے مراد مسلمانوں کے پیش رو قوم یہود ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی پوری تاریخ کو جامع انداز میں پیش فرمایا ہے۔ مسلمانوں کو ان کی تاریخ سے سبق لینے اور ان کے نقش قدم پر چلنے سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے۔ اس قوم پر اپنے احسانات وانعامات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

آج بھی دیر ہی سے سہی مسلمان اس مثال کی روشنی میں اپنی ڈیوٹی کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حوالے سے یاد کریں۔ غفلت اور تساہلی کو چھوڑ کر فریضۂ دعوت کے لیے یکسو ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت سے سربلند اور کامیاب ہوں گے۔

دعوتِ دین- اتباعِ رسولؐ کا اہم تقاضا

مسلمانوں کے اندر بالعموم محدود اور ناقص تصور دین کے رائج ہونے کے نتیجے میں دین پر عمل اور تقاضوں میں محدودیت اور بڑی بڑی کمیاں پائی جاتی ہیں۔ قرآن وسنت اور اسوۂ رسولؐ میں دین کی جو اہم تعلیمات اور بنیادی تقاضے بتائے گئے ہیں۔ ان میں کئی ایسے ہیں جو آج کے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نہیں پائے جاتے یا ان کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت

نہیں ہے۔صحابہ کرامؓ قرآن وسنت اور اسوۂ رسولؐ پر سب سے بڑھ کر عمل کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی سند قبولیت اور رضامندی اسی دنیا میں ان کو حاصل ہوگئی۔ کتنے ہی صحابہ کرامؓ ایسے گزرے ہیں جن کو حضورؐ نے جنت کی بشارت دی۔ یہ ان کا خاص امتیاز ہے، جس میں قیامت تک کوئی دوسرا فرد یا گروہ شریک نہیں ہوسکتا۔اب اگر ہم بھی اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کے طلب گار، جنت کے حصول کے خواہش مند اور عذاب جہنم سے بچنا چاہتے ہیں تو صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلیں۔فریضۂ دعوت دین کا صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں کیا مقام تھا؟ اس کو جانیں اور سمجھیں۔

آج ساری دنیا میں مسلمان تقریباً ۱۷۵ کروڑ ہیں۔آغاز میں اسلام کن کی کوششوں اور قربانیوں کے ذریعہ پھیلا؟ ہمارے ملک میں اسلام کیسے آیا؟ کس نے دعوت کے ذریعہ یہاں کی قدیم آبادیوں میں اسلام کا تعارف کرایا؟ کس نے اپنی پاکیزہ زندگیوں اور اسلامی اخلاق و کردار کے ذریعہ اور داعیانہ سیرت اور درد وسوز سے یہاں کی آبادیوں کا دل جیت لیا؟ یہ صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے بزرگوں کا عظیم کارنامہ تھا۔اس ملک میں پہلے اسلام آیا، تلوار بعد میں آئی اور جس تلوار نے لوگوں کو مسخر کیا وہ اسلامی عقائد کی سادگی، اس کا قابل فہم ہونا، ان داعیان اسلام کا اخلاق وکردار، یہاں کے باشندوں سے ان کی بے پناہ محبت اور ان کی بے لوث خدمت تھی۔

آج مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ دین کو نماز روزہ یعنی فرائض اسلام تک محدود نہ ہوئے دعوت دین کو اہم فریضہ سمجھ کر فرداً فرداً اور بحیثیت امت اس کی ادائیگی میں بلا تاخیر سرگرم عمل ہوجائیں۔ورنہ اگر وہ اب بھی فریضۂ دعوت دین سے غفلت برتیں گے اور عملاً اس کو ترک کردیں گے تو انہیں بہت زیادہ نقصانات اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ احکام دین کے بڑے حصے پر عمل ہی نہیں ہوگا، بلکہ اتباع رسولؐ اور رسولؐ کی سنتوں کی پیروی میں جان بوجھ کر کوتاہی اور نافرمانی ہوگی۔قرآن مجید میں اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ رسولؐ کی نافرمانی سے بچیں ورنہ ان کے فتنے میں مبتلا ہونے کا امکان ہے۔اسی طرح ایک حدیث رسولؐ کا مفہوم یہ ہے کہ حضورؐ کی امت کے تمام افراد جنت میں داخل ہوں گے، سوائے ان لوگوں کے جو انکار کرنے والے ہوں گے۔پوچھا گیا کہ یہ انکار کرنے والے کون لوگ ہوں

گے؟حضورؐ نے وضاحت فرمائی کہ جنہوں نے میری پیروی کی وہ تو جنت میں جائیں گے اور جنہوں نے ایسا نہ کیا وہ انکار کرنے والے ہوں گے۔(صحیح بخاری)

قرآن مجید کی ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ آخری رسولؐ پر صرف ایمان ویقین اور اس سے محبت وعقیدت کافی نہیں ہے، بلکہ ان کی بلاشرط اور کامل اتباع دنیوی فلاح اور اخروی نجات کے لیے ضروری ہے۔قرآن کا اعلان دیکھیے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

یہ آیت غزوۂ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔اس میں رسول اللہ ﷺ کی اس وقت کی زندگی کو بہترین نمونہ (قابل تقلید) قرار دیا ہے۔لیکن مفسرین اس پر متفق ہیں کہ رسول اللہؐ کی پوری مبارک زندگی نمونہ ہے۔اس میں کسی کے لیے کوئی استثنیٰ نہیں ہے۔کوئی امتی اسوۂ رسولؐ کے حوالے سے یہ کہنے کا اختیار نہیں رکھتا کہ کسی خاص معاملے میں وہ پیروی کرے گا اور کسی دوسرے معاملے میں اپنی مرضی یا اپنی پسند پر چلے گا۔رسول اللہؐ پر ایمان کے یہ بالکل منافی ہے۔ایسا ایمان اللہ کے یہاں کیسے معتبر ہوگا؟اس معاملے میں اسوۂ رسولؐ پر عمل کا صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں کیا انداز تھا؟دراصل اسوۂ صحابہؓ تو اسوۂ رسولؐ پر عمل کا ماڈل ہے۔اسوۂ رسولؐ میں دعوت کا مقام اور درجہ کیا ہے؟حضورؐ کی پوری سیرت اور دعوتی جدوجہد اس کی گواہ ہے۔منشائے اسوۂ رسولؐ کے عین مطابق صحابہ کرامؓ نے دعوت کو وہی درجہ اور مقام اپنی زندگیوں میں دیا۔صحابہ کرامؓ کی دعوتی جدوجہد اس کی گواہ ہے۔کیا آج مسلمانوں نے اسوۂ رسولؐ کی پیروی اور صحابہ کرامؓ کے نمونے کو سامنے رکھ کر فریضۂ دعوت دین کو وہ اہمیت اور مقام دیا ہے؟کیا آج مسلمانوں کی امیج اس بڑے ملک میں اسلام کے داعیوں کی ہے؟مسلمان اپنی سیرت وکردار، اخلاق اور رویے سے اسلام کے عملی گواہ (شہداء علی الناس) ہیں؟

قرآن مجید میں دعوت کے حوالے سے یہ اہم نکتہ خاص طور پر واضح کیا گیا ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۸ (یوسف:۱۰۸)

''(اے نبیؐ!) کہہ دو: یہ میری راہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یعنی آپؐ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ تم مانو یا نہ مانو، میرا تو یہی طریقہ اور مسلک ہے کہ لوگوں کو بصیرت اور یقین کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا رہوں، میں بھی اور وہ لوگ بھی جو میری اتباع کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میری یہ دعوت کسی سرسری نظر پر مبنی نہیں ہے، بلکہ پوری بصیرت اور عقل وحکمت کا ثمرہ ہے۔ اس دعوت وبصیرت میں رسول اللہؐ نے اپنے متبعین اور پیروؤں کو بھی شامل فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں، جو علوم رسالت کے خزانے اور خداوند سبحانہ وتعالیٰ کے سپاہی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: رسول اللہؐ کے صحابہؓ اس امت کے بہترین افراد ہیں، جن کے قلوب پاک اور علم گہرا ہے۔ تکلف کا ان میں نام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کی محبت وخدمت کے لیے منتخب فرمالیا ہے۔ تم انہی کے اخلاق وعادات اور طریقوں کو سیکھو، کیوں کہ وہی سیدھے راستے پر ہیں۔ کلبی اور ابن زید نے فرمایا: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص رسول اللہؐ کے اتباع کا دعویٰ کرے اس پر لازم ہے کہ آپؐ کی دعوت کو لوگوں میں پھیلائے اور قرآن کی تعلیم کو عام کرے۔'' (معارف القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۱۶۵)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے لکھا ہے:

''ان کی تمام بیماریوں کی جڑ یہ شرک ہی تھا۔ اس وجہ سے جب اس کا ذکر آ گیا تو پیغمبر کی زبان سے پوری وضاحت کے ساتھ اس سے برأت کا اعلان کرا دیا گیا۔ فرمایا:

ان سے کہہ دو، میری راہ یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے، یعنی جس طرح میں اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں، اسی طرح میرے پیرو بھی اللہ ہی کی طرف بلاتے ہیں۔ اور ہم سب اس بات میں حجت وبصیرت اور دلیل وبرہان کی پوری روشنی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس معاملے میں ہم سے کوئی یہ توقع نہ رکھے کہ ہم کسی قسم کی نرمی برتنے کے لیے تیار ہوں گے یا کوئی تذبذب گوارا کریں گے۔ اللہ شرک کی تمام آلائشوں سے پاک اور منزّہ ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں، یعنی ان سے اپنی برأت کا اعلان کرتا ہوں۔'' (تدبر قرآن، جلد چہارم، صفحہ ۲۵۸۔۲۵۹)

دعوتِ دین اور قرآن مجید

اسلام دینِ فطرت، دینِ انسانیت اور دینِ دعوت ہے۔ یہ ان تمام انسانوں کی جو اس سے محروم ہیں، عظیم امانت ہے اور اس کے امین مسلمان ہیں۔ ان کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ جلد سے جلد اس امانت کو برادرانِ وطن تک پہنچا دیں اور اپنی ذمہ داری ادا کر کے خدا کے حضور سبک دوش اور بری الذمہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فریضۂ دعوت کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ کیوں کہ دعوتِ حق کے بغیر اس امانت کو برادران وطن تک پہنچانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ قول اور سیرت و کردار، اخلاق، حسن سلوک اور برادران وطن کے انسانی حقوق کی ادائیگی کو دعوت کا ترجمان بنا کر مسلمان بحسن وخوبی دعوتی ذمہ داری کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کے لیے دنیوی اور اخروی زندگی میں انعامات، کامیابیاں، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کا حصول ممکن ہوگا۔ ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس فریضے کو مسلمانوں کے مقصد وجود کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر مسلمان اس فریضے کو انفرادی اور اجتماعی طور پر ادا کرتے رہیں گے تو اپنے مقصد وجود کی حفاظت اور تکمیل کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں، بشارتوں اور انعامات کے مستحق ہوں گے۔ دنیا میں ان کے لیے امن وسلامتی اور ان کے تحفظ و بقا اور ارتقا کا راز بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔ دنیا کی امامت اس فریضے سے غفلت کی صورت میں نہیں حاصل ہو سکتی۔ اس فریضے کو ادا کرنے والا گروہ ہی دنیا کی امامت اور قیادت کے مقام پر فائز کر دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کتابِ دعوت ہے

دعوت کا بنیادی محرک رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا حصول ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ بندوں تک اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہ نمائی پہنچ جائے۔ بندے اپنی عقل و بصیرت سے کام لے کر اور اپنے مفاد کے پیش نظر دلائل کی روشنی میں حق کے قبول یا انکار کا آزادانہ فیصلہ کریں۔ اسی بنیاد پر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوش نودی پائیں گے یا اس کے غضب کا شکار

ہوں گے۔

دعوتِ دین کی اسی اہمیت کی بنا پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس سے متعلق تمام اہم اورضروری امور کے سلسلے میں اصولی اور جامع رہ نمائی فرمائی ہے۔کوئی پہلو بیان ہونے سے رہ نہیں گیا ہے۔کسی بھی دور میں دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے یہ رہ نمائی کافی ہے۔اسی لیے قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ روزانہ پابندی سے مطالعہ اور غور وتدبر ضروری ہے۔قرآن مجید کتاب ہدایت تو ہے ہی، وہ کتابِ دعوت بھی ہے۔دعوت کے سلسلے میں دوسری مستند اور رہ نمائی کا اہم ذریعہ حضور اکرمؐ کے ارشادات ہیں۔حضور اکرمؐ کی دعوتی سرگرمیاں اور آپؐ کا اسوہ حسنہ قرآنی آیات کی تشریح وتفسیر ہے۔

قرآن مجید میں فریضۂ دعوت کی ادائیگی پر زور دینے کے علاوہ دنیوی فتوحات، برکات اور کامیابیوں کا تذکرہ ہے۔اس کے مطالعہ سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور دعوتی جذبہ بیدار ہوتا ہے۔دعوت کے لیے سرگرم عمل ہونے کی تحریک ملتی ہے۔ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی کام کو کرنے کی ہدایت قرآن مجید سے ملتی ہے تو یہ اس کے لیے بالکل کافی ہے۔

قرآن مجید کی دلیل سب سے زیادہ اہم اور قطعی ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کے لیے راست حکم ہے، جو ان تک حضور اکرمؐ کے واسطے سے پہنچا ہے۔

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر مختلف پہلوؤں سے دعوت اور اس کے متعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔یہ ممکن نہیں ہے کہ یہاں پر تمام آیات کا مطالعہ کیا جائے۔اس لیے منتخب آیات کا تفسیری مباحث کی روشنی میں مطالعہ کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

برادرانِ وطن سے مسلمانوں کا رشتہ

ہم اس پہلو سے غور کریں گے کہ برادران وطن سے ہمارا رشتہ ہے یا نہیں؟ قرآن اور سنت کی روشنی میں غور کرنے سے درج ذیل رشتہ وتعلق طے پاتا ہے:

۱- برادران وطن اور مسلمانوں کے درمیان انسانی رشتہ ہے، یعنی دنیا کے تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔اس بنا پر ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

۲- برادرانِ وطن حضور اکرمؐ کی امتِ اجابت ہیں، یعنی مسلمان تو حضورؐ کی امتِ دعوت ہیں لیکن مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے تمام انسان حضور اکرمؐ کی امتِ اجابت ہیں۔ ان تک دعوت پہنچانا ہے۔

۳- مسلمان اور برادران وطن کے درمیان داعی اور مدعو کا اہم رشتہ ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم حدیث یہاں پیش کی جاتی ہے:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے، اس امت میں سے جو شخص بھی یہودی یا عیسائی میری دعوت کو سنے اور پھر اس دین پر جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ یقیناً دوزخی ہوگا۔'' (مسلم)

برادرانِ وطن کے لیے قرآن مجید اسی طرح ہدایت، رہ نمائی اور اصلاح وتربیت کی کتاب ہے جس طرح مسلمانوں کے لیے ہے۔ اسلام حقیقت میں برادران وطن کا اصلی اور فطری دین تھا اور ہے، اس کے اوپر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ اسلام کو اصل شکل میں دیکھ لیں گے تو پہچان لیں گے۔

دعوت سے متعلق مسلمانوں کی بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

قرآن اور حدیث سے ناواقفیت کی بنا پر دعوت کے تعلق سے مسلمانوں کے اندر بعض غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں۔ ان کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ ذہن صاف ہو اور قرآنی آیات پر غور وفکر کی راہ ہموار ہو۔

مسلمانوں کے درمیان یہ غلط فہمی عام ہے کہ پہلے مسلمانوں کی اصلاح ہونی چاہیے، اس کے بعد دعوت کا کام کرنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں اس بات کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ دونوں کاموں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ دونوں ضروری ہیں۔ کسی بھی پہلو سے کسی ایک کو دوسرے پر ٹالنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے دونوں کام ساتھ ساتھ ہونا چاہیے۔ کیا کسی نے مستقبل میں جھانک کر غیب کو دیکھ لیا ہے کہ تمام مسلمانوں کی اصلاح اور تربیت فلاں سن اور فلاں صدی میں مکمل ہو جائے گی؟

ایک غلط فہمی ایسی بھی ہے جو ہمارے فہم دین اور اس کے عملی تقاضوں کے صحیح شعور پر ہی سوالیہ نشان کھڑا کر دیتی ہے۔ یہ غلط فہمی قرآن وسنت سے ہمارے انحراف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ غلط فہمی یہ ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح ہو جائے تو ایسے نیک، باعمل اور اعلیٰ سیرت وکردار اور اخلاق والے مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام خود بخود پھیل جائے گا۔ دعوت دینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ غور فرمائیں کہ حضورؐ اسلام کا کامل نمونہ تھے۔ صحابہ کرامؓ آپؐ کی پیروی میں کامل تھے۔ لیکن مکہ اور مدینہ میں کیا دعوت کے بغیر لوگ محض ان کو دیکھ کر ایمان لے آئے؟ آپؐ اور صحابہ کرامؓ کو صرف دعوت ہی نہیں، بلکہ جہاد وشہادت کے مرحلوں سے بھی گزرنا پڑا۔

ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ اگر مسلمان دعوت کا کام کریں گے تو برادران وطن ان کے دشمن بن جائیں گے، فسادات ہوں گے، ان پر ظلم وستم ڈھایا جائے گا اور ان کو بڑے پیمانے پر جان ومال، عزت وآبرو کی تباہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ سوال یہ ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک چھوٹے بڑے تیس ہزار سے زیادہ فسادات اس ملک میں کرائے گئے۔ بعض فسادات یک طرفہ نسل کشی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دوران مسلمانوں نے کون سا دعوتی کام کیا؟ برادرانِ وطن کو کب دعوتِ حق پہنچانے کی کوششیں کیں؟ بلکہ آج بھی مسلمان دعوت کا کیا کام کر رہے ہیں؟ کیا یہ فسادات اس لیے ہوئے کہ مسلمان دعوت کا کام کر رہے تھے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ قرآن وسنت اور مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتے کہ اگر مسلمان دعوت کے فریضے کو انجام دیں گے اور ساری دنیا میں دعوت کے لیے کمربستہ ہو کر میدانِ دعوت میں پرامن، اخلاقی اور تعمیری طریقوں سے کام کریں گے تو حالات ضرور بدلنا شروع ہوں گے۔

مسلمان امتِ وسط ہیں

قرآن مجید کی ایک معرکہ آرا آیت میں امت مسلمہ کو دنیا کی امامت پر فائز کیے جانے اور بنی اسرائیل کو اس عظیم منصب سے معزول کرنے کا اعلان کیا گیا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرۃ:۱۴۳)

''اوراسی طرح ہم نے تمہیں ایک بیچ کی امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنواور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔''

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

۱- یعنی جس طرح ہم نے قبلہ کے معاملے میں یہود و نصاریٰ کے پیدا کردہ پیچ وخم اور مشرق ومغرب کے چکر سے تمہیں نکال کر صراط مستقیم کی طرف تمہاری رہ نمائی کی، اسی طرح ہم نے تم کو یہودیت اور نصرانیت کی پگڈنڈیوں سے بچا کر دین کی بیچ شاہ راہ پر قائم رہنے والی امت بنایا، تاکہ رسول تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے اور تم خلقِ خدا پر اللہ کے دین کی گواہی دو۔

۲- وسط کے معنیٰ ہیں وہ شئے جو دو کناروں کے درمیان بالکل وسط میں ہو۔ یہیں سے اس کے اندر بہتر ہونے کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔

امت مسلمہ کو امت وسط کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ امت ٹھیک ٹھیک دین کی اس بیچ شاہ راہ پر قائم ہے جو اللہ نے خلق کو رہ نمائی کے لیے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے کھولی ہے اور جو ابتدا سے ہدایت کی اصلی شاہ راہ ہے۔

۳- یہ امت یہودیت اور نصرانیت کی پگڈنڈیوں اور اہل قبلہ سے منحرف ہو کر مشرق اور مغرب کے جھگڑوں میں پڑ کر بھٹکنے کے بجائے دین کی اصلی راہ پر قائم ہے۔

۴- دین کے معاملے میں امت مسلمہ کی یہی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے قرآن مجید میں دوسری جگہ اس امت کو خیرِ امت (بہترین امت) کہا گیا ہے۔

۵- آیت کے اس حصے میں 'تاکہ تم لوگوں پر اللہ کے دین کے گواہ بنو اور رسول تمہارے اوپر اللہ کے دین کا گواہ بنے' امت وسط کے فریضۂ منصبی اور اس کے قیام کی ضرورت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو رہ نمائی کے منصب پر مامور کیا تھا انھوں نے اللہ کے میثاق کو توڑ دیا، اس کی شریعت میں تبدیلیاں کر دیں، اس کی صراط مستقیم گم کر دی، اس کے مقرر کیے ہوئے قبلہ سے منحرف ہو گئے اور جن شہادتوں کے وہ امین بنائے گئے تھے ان کو انھوں نے چھپایا۔ ایسے حالات میں عالم انسانیت کی سب سے

بڑی ضرورت اگر کوئی ہوسکتی تھی تو یہی کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی امت برپا کرے جو اس کی سیدھی راہ پر قائم ہو جو اس کے رسول کے ذریعے سے اصل دین کی حامل بنے اور پھر رہتی دنیا تک لوگوں کے سامنے اس دین کی گواہی دے۔

۶- 'رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ' سے یہ بات واضح طور پر نکلتی ہے کہ شہادت علی الناس کا جو فرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر بحیثیت رسول کے تھا، آپ کے بعد آپ کی امت کی طرف منتقل ہوا اور اب یہ اس امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دور، ہر ملک اور ہر زبان میں لوگوں پر اللہ کے دین کی گواہی دے۔ اگر وہ اس فرض میں کوتاہی کرے گی تو اس دین کے گم راہیوں کے نتائج بھگتنے میں دوسروں کے ساتھ وہ بھی برابر کی شریک ہوگی۔ (تدبر قرآن، جلد اول، صفحہ ۳۶۳۔۳۶۵)

اس آیت پر صاحبِ تفہیم القرآن کا تفسیری نوٹ بھی قابل مطالعہ ہے۔ لکھتے ہیں:

''یہ جو فرمایا کہ تمہیں امت وسط اس لیے بنایا گیا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب پوری نوع انسانی کا اکٹھا حساب لیا جائے گا اس وقت رسولؐ ہمارے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے تم پر گواہی دے گا کہ فکر و عمل صالح اور نظام عدل کی جو تعلیم ہم نے اسے دی تھی وہ اس نے تم کو بے کم و کاست پوری کی پوری پہنچا دی اور عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھا دیا۔ اس کے بعد رسولؐ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تم کو عام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اٹھنا ہوگا اور یہ شہادت دینی ہوگی کہ رسولؐ نے جو کچھ تمہیں پہنچایا تھا وہ تم نے انھیں پہنچانے میں اور جو کچھ رسول نے تمہیں دکھایا تھا وہ تم نے انہیں دکھانے میں اپنی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اس طرح کسی شخص یا گروہ کا اس دنیا میں خدا کی طرف سے گواہی کے منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت اس کا امامت اور پیشوائی کے مقام پر سرفراز کیا جانا ہے۔ اس میں جہاں فضیلت اور سرفرازی ہے وہیں ذمہ داری کا بہت بڑا بار بھی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے لیے خدا ترسی، راست روی،

عدالت اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنے۔ اسی طرح اس امت کو بھی تمام دنیا کے لیے زندہ شہادت بننا چاہیے حتی کہ اس کے قول و عمل اور برتاؤ ہر چیز کو دیکھ کر دنیا کو معلوم ہو کہ خدا ترسی اس کا نام ہے۔ راست روی یہ ہے، عدالت اس کو کہتے ہیں اور حق پرستی ایسی ہوتی ہے۔ پھر اس کے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ جس طرح خدا کی ہدایت ہم تک پہنچانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری بڑی سخت تھی حتی کہ اگر وہ اس میں ذرا سی بھی کوتاہی کرتے تو خدا کے یہاں ماخوذ ہوتے، اسی طرح دنیا کے عام انسانوں تک اس ہدایت کو پہنچانے کی نہایت سخت ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ اگر ہم خدا کی عدالت میں واقعی اس بات کی شہادت نہ دے سکے کہ ہم نے تیری ہدایت جو تیرے رسولؐ کے ذریعہ ہمیں پہنچی تھی، تیرے بندوں تک پہنچا دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے تو ہم بہت بری طرح پکڑے جائیں گے اور یہی امامت کا فخر ہمیں وہاں لے ڈوبے گا۔ ہماری امامت کے دور میں ہماری واقعی کوتاہیوں کے سبب سے خیال اور عمل کی جتنی گم راہیاں دنیا میں پھیلی ہیں اور جتنے فساد اور فتنے خدا کی زمین میں برپا ہوئے ہیں ان سب کے لیے ائمۂ شر اور شیاطین انس و جن کے ساتھ ساتھ ہم بھی ماخوذ ہوں گے۔ ہم سے پوچھا جائے گا کہ جب دنیا میں معصیت اور ظلم و گم راہی کا یہ طوفان برپا تھا تو تم کہاں مر گئے تھے۔'' (تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰)

آیت کے اس فقرے 'تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ...' پر مذکورہ بالا تشریح کی روشنی میں غور فرمائیں، تا کہ قرآن کی یہ رہ نمائی بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے۔

اس دنیا میں 'الناس' کے آگے گواہی اور اخروی زندگی میں سب کے سامنے گواہی دینے کا معاملہ نہایت سنگین ہے۔ مسلمانوں کو اس کی سنگینی کا احساس ہوتا تو ایک پل بھی وہ چین سے نہیں بیٹھتے۔ اللہ کے رسولؐ کو گواہی کی ذمہ داری اور آخرت میں اس کی سنگینی کا احساس کتنا زیادہ تھا؟ اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور اکرمؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن سنانے کی خواہش کی۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہؐ! قرآن تو آپ پر نازل ہوا اور میں آپؐ کو سناؤں۔ حضورؐ نے فرمایا:

ہاں میں سننا چاہتا ہوں۔ وہ سورۂ النسآء کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝ (النساء:۴۱، ۴۲)

''پھر سوچو اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (یعنی محمدؐ کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے، اس وقت وہ سب لوگ جنہوں نے رسول کی بات نہ مانی اور اس کی نافرمانی کرتے رہے، تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں۔ وہاں یہ اپنی کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نظر اٹھا کر حضورؐ کو دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری تھے۔

گواہی میں سب سے پہلے تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، یعنی آپؐ صحابہ کرامؓ کے سامنے پہلے مرحلے میں دین حق کے گواہ ہیں، پھر ساری دنیا کے انسانوں کے لیے گواہ ہیں یہاں تک کہ آپؐ کی گواہی کا دائرہ روز محشر تک قائم ہے۔

گواہی کا دوسرا دائرہ صحابہؓ کے ذریعہ، جو ایمان میں داخل ہوئے ہیں، تمام اہل ایمان کو گواہ بننا ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ ان کو کس کے سامنے دین حق کی قولی و عملی شہادت (گواہی) دینا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ الناس یعنی انسانوں پر گواہ بننا ہے۔

صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ دین، اتباع رسول اور دین کے تقاضوں کے تعلق سے جو علم رکھتے تھے اس پر انھوں نے حضورؐ کی زندگی میں اور بعد میں بھی عمل کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے رضا اور خوش نودی کی سند عطا کی گئی۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کا یہ نمونہ ہمارے سامنے ہے کہ وہ مکہ، مدینہ اور عرب کو چھوڑ کر دعوت و تبلیغ کے لیے نکل گئے۔ اسلام کی دعوت کو بندگان خدا تک پہنچایا۔ صحابہؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین اور بزرگان اسلام

نے بھی یہی کام کیا۔ قرآن مجید میں اس مضمون کی ایک اور نہایت جامع آیت آئی ہے۔ بالعموم دیکھا گیا ہے کہ دعوت کے حوالے سے اس آیت پر غور وفکر نہیں کیا جاتا۔ مقررین بھی کم ہی اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ سورۃ الحج کی آخری دو آیات ہیں۔ ان آیات کی جامعیت کا حال یہ ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے دعوت کا مکمل لائحہ عمل دیا ہے۔ اس میں اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے۔ آج کے حالات میں اس لائحہ عمل کے ہر لفظ پر غور کر کے اسے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں آیات درج ذیل ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۷۷ [۲] وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۷۸ۧ (الحج:۷۷،۷۸)

''اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلائی کے کام کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں (اپنے دین کے لیے) چن لیا ہے اور اس نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے)، تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔ لہٰذا تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامو۔ وہی تمہارا کارساز ہے اور وہ بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے۔''

اس لائحہ عمل کا آغاز، نماز، بندگیِ رب، نیکی اور بھلائی کے کاموں کو کرنا، جہاد فی سبیل اللہ، دین آسان ہے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا ہے۔ تاکہ اس کام کو انجام دیں۔

آیت کے اگلے حصے میں بتایا گیا ہے کہ رسول تم پر گواہ ہو،تم قیامت تک خدا کے بندوں پر دین کے گواہ ہوجاؤ۔نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اللہ کے دین پر استقامت ،اللہ ہی درحقیقت مسلمانوں کا اوراس فریضے کی ادائیگی میں تمہارا بہترین مولیٰ (سرپرست) اور تمہارا بہترین مددگار ہے۔

ان آیات میں یہ بڑی اہم بات بیان کی گئی کہ دین آسان ہے۔وہ ہرانسان کے لیے قابلِ عمل ہے۔دین ومذہب کے نام پر پچھلی امتوں میں ان کے مذہبی رہ نماؤں نے جو رسمیں، رواج اورخودساختہ پابندیاں عائد کرکے زندگی زنجیروں میں جکڑ رکھی تھی، دین پرعمل کرنا ممکن نہیں رہا تھا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پابندیاں عائد نہیں کی تھیں۔مذہبی پیشواؤں نے خود کو خدا اوراس کے بندوں کے درمیان بٹھا کر راست خدا تک پہنچنے کا راستہ عام انسانوں کے لیے بند کردیا تھا، لوگوں زندگی عذاب بن گئی تھی۔اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے لیے ان تمام پابندیوں کو دور کردیا اور بتادیا کہ ہرفرد مسلم دین پرعمل کرسکتا ہے۔اس نے ایک سادہ اورآسان فطری شریعت عطا کی جوانسانی تعمیر اورترقی میں معاون ومددگار ہے۔اس آیت کا ایک فقرہ یہ ہے کہ 'اس نے تمہیں چن لیا ہے' کس لیے؟ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص کام کے لیے مسلمانوں کا انتخاب ہوا ہے۔اللہ کی طرف سے ایک ڈیوٹی لگائی گئی ہے، وہ یہ کہ دین حق کی گواہی دیں۔اس کے لیے قولی اورعملی دعوتِ دین کا فریضہ انجام دیں۔اس ڈیوٹی کو اللہ تعالیٰ اپنا کام قرار دے کر اس کے کرنے والوں کو اپنا مددگار بتاتا ہے۔اس ڈیوٹی کو یہاں شہادت علی الناس کہا ہے، دوسری جگہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اورمنکر برائیوں سے روکنا)۔ان آیات پر غور کیجیے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (آل عمران: ۱۰۴)

''اورتم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جوخیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔اور جولوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (آل عمران:۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷

(محمد:۷)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم ثابت رکھے گا۔''

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کام بندوں کو ہدایت اور قبول حق کی سعادت عطا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو اپنے ایک حکم کے ذریعہ سارے انسانوں کو مومن و مسلم بنا دیتا، لیکن اس کی اسکیم یہ نہیں ہے۔ اس نے انسانوں کو آزمائش اور امتحان میں ڈال کر کام یاب ہونے والوں کو انعام اور اپنی خوش نودی عطا کرنے اور ناکام ہونے والوں کو سزا دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ بندوں کا حق کو قبول یا انکار کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ ان تک دعوت کے ذریعہ حق واضح ہو۔ اس کی حجت ان پر تمام ہو۔ وہ دلائل کی بنیاد پر یقین کر لیں کہ یہی حق ہے جسے انہوں نے اگر قبول نہیں کیا تو ان کی دنیا تباہ ہو جائے گی اور اخروی زندگی میں جہنم کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دین حق کی گواہی اور شہادت سے بڑا کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔ اس کام کو انجام دینے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنا مددگار قرار دیتا ہے۔

ان آیات میں معروف کی دعوت دینے اور منکر سے روکنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ سب سے بڑا معروف توحید باری تعالیٰ ہے اور سب سے بڑا منکر شرک ہے۔ رسولوں اور نبیوں کا سلسلہ آخری پیغمبر حضرت محمدؐ پر ختم ہو گیا ہے۔ نبوت اور رسالت کا دروازہ اب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے لیکن کار نبوت اور کار رسالت برقرار اور باقی ہے۔ اسے باقی رہنا بھی چاہیے تھا کیوں کہ اس کے بغیر بندوں تک اللہ کی ہدایت اور رہ نمائی پہنچنے کا ذریعہ کون سا ہو سکتا تھا؟ مسلمان

کار رسالت اور کار نبوت یعنی دعوت دین کے لیے مامور اور مقرر کیے گئے ہیں۔ دعوت اور تبلیغ کا کام قیامت تک جاری رکھنا ضروری ہے، کیوں کہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا یہ منشا کہ اس کے بندوں تک ہدایت اور رہ نمائی پہنچ جائے، پورا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ بندوں تک ہدایت ورہ نمائی پہنچنے اور اس کی حجت قائم ہونے سے قبل ان پر عذاب نازل کرے۔ حضرت یونسؑ کا واقعہ اس کی محکم دلیل ہے۔ کار نبوت اور کار رسالت کے کام میں جو اہل ایمان بڑھ چڑھ کر حصہ لیں (تمام اہل ایمان کو ایسا کرنا چاہیے) وہ اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ مددگار اس معنیٰ میں ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ وہ ان (اہل ایمان) کی مساعی کا محتاج اور ضرورت مند ہے۔ دراصل وہ اہل ایمان کو اس عظیم ذمہ داری پر فائز کر کے ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے۔ ان کو گناہوں کی بخشش اور آخرت میں اجر عظیم سے نوازنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ بندوں کو جو محدود آزادی دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے صحیح فائدہ اٹھاتے ہوئے کفر، شرک اور الحاد پر ایمان اختیار کرنے کو مقدم سمجھیں۔ دعوت وتبلیغ کو رد نہ کریں، بلکہ دلائل اور عقل وبصیرت کی بنیاد پر حق کو بہ رضا ورغبت قبول کرلیں۔

صاحبِ تفہیم القرآن نے اس نکتہ کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''قرآن مجید میں ان لوگوں کو اللہ کا مددگار کہا گیا ہے جو خلق خدا کو دین کی طرف بلانے اور اللہ کے دین کو کفر کے مقابلے میں غالب کرنے کی جدوجہد کریں۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ الجھن پائی جاتی ہے کہ جب اللہ قادر مطلق ہے، تمام خلق سے بے نیاز ہے، کسی کا محتاج نہیں ہے اور سب اس کے محتاج ہیں، تو کوئی بندہ آخر اللہ کا مددگار کیسے ہوسکتا ہے۔ دراصل ایسے لوگوں کو اللہ کا مددگار اس لیے نہیں کہا گیا ہے کہ اللہ رب العالمین معاذ اللہ کسی کام کے لیے اپنی کسی مخلوق کا محتاج ہے، بلکہ یہ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ زندگی کے جس دائرے میں اللہ تعالیٰ نے خود انسان کو کفر وایمان اور طاعت ومعصیت کی آزادی بخشی ہے، اس میں وہ لوگوں کو اپنی قوت قاہرہ سے کام لے کر بہ جبر مومن ومطیع نہیں بناتا، بلکہ اپنے انبیا اور اپنی کتابوں کے ذریعے سے ان کو راہ راست

دکھانے کے لیے تذکیر وتعلیم اور تفہیم وتلقین کا طریقہ اختیار فرماتا ہے۔اس تذکیر وتعلیم کو جو شخص بہ رضا ورغبت قبول کرے وہ مومن ہے، جو عملاً مطیع فرمان بن جائے وہ مسلم وقانت اور عابد ہے، جو خدا ترسی کا رویہ اختیار کرے وہ متقی ہے، جو نیکیوں کی طرف سبقت کرنے لگے وہ محسن ہے اور اس سے مزید ایک قدم آگے بڑھ کر جو اسی تعلیم وتذکیر کے ذریعہ سے بندگان خدا کی اصلاح کے لیے اور کفر وفسق کی جگہ اللہ کی اطاعت کا نظام قائم کرنے کے لیے کام کرنے لگے، اسے اللہ تعالیٰ خود اپنا مددگار قرار دیتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۴۸۰)

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر ان کا دعوت وتبلیغ میں ساتھ دینے والوں کو 'اللہ کا مددگار' اور ایمان لانے والوں کو حواری کہا گیا ہے:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۵۲ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۳

(آل عمران: ۵۲، ۵۳)

''پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان (یعنی بنی اسرائیل) میں کفر محسوس کیا تو ان سے کہا: اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار رہے گا؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور تو گواہ رہ کہ ہم فرماں بردار ہیں۔اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو تو نے نازل کیا اور ہم نے رسول کی پیروی کی ہے، چنانچہ ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔''

قرآن میں حضورؐ کی دعوتی جدوجہد کا تذکرہ

قرآن مجید میں دعوت دین کے متعلق منتخب آیات کا مطالعہ پچھلے صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ان آیات میں خاص طور پر انسانوں کے سامنے قولی اور عملی شہادت یا گواہی پر زور دیا گیا ہے۔حضور اکرمؐ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے دعوت کے سلسلے میں شہادت یا گواہی پر متوجہ کیا

ہے۔اس کے ساتھ اہل ایمان اور عام انسانوں کو بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کس کام پر مامور اور مقرر کیا ہے۔اس سلسلے میں تمام آیات قرآنی کا مطالعہ پیش نظر نہیں ہے، بلکہ صرف دو آیات منتخب کی گئی ہیں جن پر گفتگو ہوگی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۴۵ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝۴۶ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝۴۷ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۴۸ (الاحزاب:۴۵۔۴۸)

''اے نبیؐ! بلاشبہ ہم نے آپؐ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔بشارت دے دو ان لوگوں کو جو تم پر ایمان لائے ہیں کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے اور ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز کر دیجیے اور اللہ پر توکل کیجیے اور اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے۔''

مزید فرماتا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۹ (الفتح:۸،۹)

''(اے نبیؐ!) بلاشبہ ہم نے آپؐ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور تم صبح و شام اس (اللہ) کی پاکی بیان کرو۔''

یہ آیات اپنے مفہوم میں واضح ہیں البتہ دعوتی نقطۂ نظر سے چند پہلو زیادہ قابل توجہ ہیں۔

آپؐ کی یہ حیثیت صاف کر دی گئی کہ پیغمبری اور نبوت اللہ کی طرف سے ہے۔حضور اکرمؐ نے اپنی مرضی یا کسی تدبیر سے اس کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کسی مخصوص قوم یا زمانے اور ملک کی طرف نہیں بھیجا، بلکہ ہر انسان آپؐ کا مخاطب ہے۔دعوتی ذمہ داری میں یہ

بات بے حد اہم ہے کہ آپؐ اللہ کے اذن یا حکم کے تحت یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ یقیناً آپؐ نبوت سے قبل کئی دنوں کے لیے غار حرا کی تنہائی میں اپنی قوم اور انسانیت کی بھلائی اور خیر وفلاح کے لیے خوب غور وفکر فرماتے تھے۔ انسانیت کے لیے آپؐ کا جذبۂ خیر تمام انسانوں سے بڑھ کر ہے۔ دعوت کا نمایاں پہلو یہاں بھی شہادت یا گواہی کا ہی بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین حق کی گواہی حضور اکرمؐ نے کس طرح دی؟ اس کی تفصیلات قرآن مجید اور سیرت رسولؐ میں موجود ہیں۔ شہادت میں سب سے بڑی گواہی آپ نے توحید کی دی۔ اس کے ساتھ شرک کی پرزور تردید فرمائی۔ اس کے ساتھ رسالت اور آخرت سے متعلق حقائق بیان فرمائے۔ جن غیبی حقیقتوں کو عرب اور دنیا کے لوگ بالعموم نہیں جانتے تھے ان کو لوگوں پر واضح کیا۔ عرب اور ساری دنیا میں شرک کا غلبہ تھا۔ مکہ میں شدید ترین مخالفت، اذیت رسانی اور ظلم وتشدد کے باوجود حضورؐ نے علی الاعلان حق کی قولی اور عملی گواہی پیش فرمائی۔

مکہ میں تیرہ (۱۳) سال اور مدینہ میں دس (۱۰) سال اس طرح کل تیئیس (۲۳) سال میں دین حق کی قولی اور عملی شہادت کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ آخری حج کے موقع پر ایک لاکھ ساٹھ ہزار صحابہ کرامؓ نے گواہی دی کہ آپؐ نے پورا دین پہنچا دیا۔

مکہ اور مدینہ میں کئی مرتبہ نہایت ہی نازک اور سنگین حالات سے آپؐ کو گزرنا پڑا۔ مکہ میں شعب ابی طالب میں محصوری کا تین سالہ دور کا تذکرہ ضروری ہے۔ اس کی تفصیلات کا مطالعہ کرتے وقت رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح مکہ میں ایک سے زائد مرتبہ سرداران قریش ابوجہل اور دوسرے سرداروں کی سرکردگی میں ابوطالب سے ملتے ہیں اور مختلف قسم کی پرکشش پیش کش کرکے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپؐ دعوت کا کام چھوڑ دیں۔ اگر اس کے لیے تیار نہیں ہیں تو کم از کم مصالحت کرلیں اور ان کے آبائی خداؤں کو تسلیم کرلیں۔

آپؐ کے کٹر مخالفین نے آپؐ کی ذات پر بہت سے اعتراضات کیے، الزامات لگائے اور غلط پروپیگنڈہ کیا، لیکن کسی ایک فرد نے بھی یہ الزام نہیں لگایا کہ نعوذ باللہ آپؐ کے قول اور فعل میں کہیں تضاد ہے۔ یہ آپؐ کی امتیازی خصوصیت ہے کہ ہر طرح کے حالات میں آپؐ کے قول اور فعل میں ہمیشہ مطابقت پائی گئی۔

قولی اور عملی شہادت کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہؓ سے آپؐ نے گواہی لی تھی اور اس پر اللہ تعالیٰ کو بھی گواہ ٹھہرایا تھا۔

حجۃ الوداع اور تکمیلِ دعوت

حجۃ الوداع کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت علی الناس اور شہادتِ حق کی یہ ذمہ داری کتنی اہم اور نازک تھی۔ اس کا کتنا گہرا احساس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھا۔ تیئس برس کی پیغمبرانہ زندگی میں دعوت کے لیے آپؐ نے تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں، ان تھک کوششوں میں لگے رہے، مال خرچ کیا، تکالیف برداشت کیں، اپنے آرام کو بالکل قربان کر دیا، ایک لمحے کے لیے دعوت سے غافل نہیں رہے۔ یہ سب کر کے حجۃ الوداع میں صحابہ کرامؓ کا ایک لاکھ سے زیادہ مجمع ہے، گواہی لے رہے ہیں کہ اللہ کا دین ان تک پہنچ چکا ہے یا نہیں۔ گواہی دینے اور لوگوں سے گواہی لینے پر اللہ کو گواہ ٹھہرایا کہ اے اللہ! تو گواہ رہ، تیرے بندے گواہی دے رہے ہیں کہ دین ان تک پہنچ چکا ہے۔ مولانا سید جلال الدین عمری لکھتے ہیں:

حجۃ الوداع کے موقع پر تکمیلِ دین کا اعلان ہو چکا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت سے ان الفاظ میں خطاب فرما رہے تھے۔

لَعَلِّیْ لَا اَلْقَاکُمْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا

''شاید اس سال کے بعد تم سے میری ملاقات نہ ہو سکے۔''

یہ فرماتے ہوئے آپؐ نے اپنے اصحاب سے سوال کیا:

اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ

''کیا میں نے تم تک خدا کا دین پہنچا دیا ہے؟''

لوگوں نے بیک آواز جواب دیا کہ ہاں! آپ نے دین ہم تک پہنچا دیا ہے۔ اس پر آپؐ نے پھر فرمایا:

أَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّیْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ۔

''کل قیامت کے روز تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس وقت تم کیا

جواب دو گے؟''

لوگوں نے کہا:

نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ

''ہم شہادت دیں گے کہ آپ نے حق تبلیغ ادا کر دیا تھا، دین پوری طرح پہنچا دیا تھا اور ہمارے ساتھ انتہائی خیر خواہی کی تھی۔''

اب آپؐ نے اپنی انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ

''اے اللہ تو گواہ رہ۔''

مطلب یہ کہ خدایا! تیرے یہ بندے اقرار کر رہے ہیں کہ جو دین تو نے مجھے دیا تھا میں نے اس کی تبلیغ میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور بے کم و کاست اسے ان تک پہنچا دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے مجمع سے کہا:

اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

''جو یہاں موجود ہے وہ اسے پہنچا دے جو موجود نہیں ہے۔''

اس فقرے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

فَوَ الَّذِی نَفْسِی بِيَدِهٖ اِنَّهَا لَوَصِيَّتُهٗ اِلٰى اُمَّتِهٖ (بخاری)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ یہ اپنی امت کے لیے آپ کی وصیت تھی۔''

ربیع بن انسؒ (تابعی) فرماتے ہیں:

حق على من اتبع رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يدعو كالذى دعا وان ينذر بالذى انذر۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۲۶)

''جو شخص رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرے اس پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے دین کی دعوت دی اسی طرح وہ بھی دعوت دے اور جس کتاب کے ذریعہ آپ نے لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا تھا اس کتاب کے ذریعہ وہ بھی

خدا کے عذاب سے ڈرائے۔'' (اسلام کی دعوت، صفحہ ۶۰، ۶۱)

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بے شمار عظیم درجات سے نوازا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آخرت میں بھی آپؐ گواہی دیں گے۔ یوں تو انبیاؑ اپنی اپنی قوموں کے سامنے گواہی دیں گے۔ لیکن آپؐ کی گواہی کی شان سب سے اعلیٰ، برتر اور نرالی ہوگی۔ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی۔ تمام انسانوں کو جمع کیا جائے گا۔ انبیاء بھی اپنی قوموں کے سامنے ہوں گے۔ ایسے نازک موقع پر بعض قومیں اپنے انبیاء کو جھٹلا دیں گی۔ وہ اس بات سے انکار کر دیں گی کہ ان کے پاس نبی نے حق کی گواہی دی تھی۔ اس موقع پر حضور اکرمؐ کی شہادت سامنے آئے گی۔ یہ امت بھی حضورؐ کی شہادت کی بنیاد پر گواہی دے گی۔ اس سے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ فی الواقع تمام انبیا نے اپنی قوموں تک اللہ کا دین پہنچا دیا تھا۔ ان قوموں کا انکار کرنا محض کذب بیانی ہے۔ حقیقت سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے۔

مسلمانوں کے لیے غور کرنے کا نکتہ یہ ہے کہ آخرت کے دن میدان حشر میں کہیں رسوائی اور ذلت کا سامان نہ کر بیٹھیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حضورؐ کی پیروی اور حکم کی اطاعت میں اپنے اپنے دائرے میں برادران وطن تک انفرادی اور اجتماعی طور پر فریضۂ دعوت دین کی ادائیگی میں لگ جائیں، تاکہ برادران وطن آخرت میں گواہی دیں کہ مسلمانوں نے ان تک دین پہنچا دیا تھا۔

دعوت کے سلسلے میں حضورؐ سے خطاب

قرآن مجید میں فریضۂ دعوت کی اہمیت، ضرورت اور اس کی ادائیگی میں غفلت کے مہلک نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ کو اس وقت کے حالات میں مستقل نوعیت کے بعض اصولی احکام دیے گئے ہیں۔ ان کی حیثیت رہ نما اصولوں کی ہے۔ ہر دور کے داعیان حق کے لیے ضروری ہے کہ ان اصولوں کو اچھی طرح جان لیں اور اپنی دعوتی جدوجہد میں ان پر عمل کریں۔ یہ کرنے سے کام یابی مل سکتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے خدائی گائیڈ بک ہے۔ اس کے مطالعہ اور غور و تدبر سے بے نیاز ہو کر کوئی داعی فرد

یا داعی جماعت دعوت کے کام کو کام یابی سے نہیں کرسکتی۔

ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے دعوت کا کام انفرادی تزکیہ، مسلم معاشرہ کی اصلاح وتربیت، اتباع رسولؐ اور اتحاد ملت کے پہلو سے ناگزیر ہے۔ دعوت کو نظر انداز کر کے ان مقاصد کے حصول میں مسلمان کبھی کام یاب نہیں ہوسکتے۔ ملک کے حالات سے کوئی خوش اور مطمئن نہیں ہے، سب تبدیلی چاہتے ہیں۔ مکی زندگی کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آج کے ہمارے حالات اس سے ملتے جلتے ہیں البتہ بعض پہلوؤں سے فرق بھی ہے۔ ہم جب بھی کوئی دعوتی لائحہ عمل بنائیں، اس میں قرآن مجید کی مکی سورتوں سے رہ نمائی لینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

(الاعراف:۱۹۹۔۲۰۲)

''اے نبیؐ! آپ ان سے درگزر کیجیے اور نیک کام کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے۔ اگر آپ کو شیطان کا کوئی وسوسہ ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگیے۔ بے شک وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آلیتا ہے تو وہ چونک پڑتے ہیں اور پھر یکا یک سوجھ بوجھ والے ہوجاتے ہیں۔ ان کے (یعنی شیاطین کے) بھائی بند تو انہیں گم راہی میں کھینچ لیے جاتے ہیں اور وہ اس میں کوئی کمی نہیں کرتے۔''

دراصل ان آیات کو سامنے رکھ کر قرآن مجید میں حضورؐ کو راست مخاطب کر کے مختلف مواقع پر جو ہدایتیں دی گئی ہیں، ان کی روشنی میں مدعوئین کے رویوں کے جواب میں اللہ کے پسندیدہ ومطلوب طرز عمل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ دراصل داعی اور دعوت کی اصل کام یابی کا گر ہے۔ یہ دعوت اللہ کی ہے، اللہ کی طرف سے ہے، اللہ کے لیے ہے، اور ہر انسان، جو اللہ

سے دور ہے، اسے اللہ تعالیٰ سے جوڑتی ہے۔ اس لیے دعوت کے طریقوں، اصولوں اور کام یابی کے گر بتانے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ یہ تو وہی بتا سکتا تھا۔ جب سے اس زمین پر دعوت کا کام شروع ہوا ہے وہیں سے اس طرح کی رہ نمائی اللہ کی طرف سے انبیا کو دی جاتی رہی۔ اسی طرح آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو داعی اعظم اور داعی کامل ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی رہ نمائی حاصل رہی ہے۔ دعوت کے اصولوں پر حضورؐ سے بڑھ کر کون عمل کر سکتا ہے؟ اب یہ راہِ دعوت فکری اور نظریاتی پہلو سے بھی کامل ہے اور عملی اعتبار سے بھی۔ آئندہ کے حالات میں ان کی روشنی میں نئی راہیں نکالی جا سکتی ہیں، لیکن اس بنیادی رہ نمائی سے بے نیاز ہو کر نہیں، بلکہ یہ اسی کی روشنی میں ہوں گی۔ اس بحث کا خاص پہلو یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ان پر پوری طرح عمل کیا۔ یہ کام حضور اکرمؐ کی مبارک زندگی میں آپؐ کے سامنے بھی ہوا اور آپؐ کی رحلت کے بعد بھی مسلسل ہوتا رہا۔ صحابہ کرامؓ کی دعوتی جدوجہد اس کی گواہ ہے۔ اس کام میں ان کو بھرپور کام یابی ملی۔ بڑی بڑی دعوتی فتوحات حاصل ہوئیں۔ کوئی صحرا، پہاڑ، جنگل، دریا و سمندر اور سرحدیں ان کی راہ کو روک نہیں سکیں۔ اسلام کی دعوت ایک ابر رحمت بن کر دنیائے انسانیت پر چھا گئی۔ انسانیت پر ایک نئی بہار آئی۔ نئے شہر، ممالک، بلکہ براعظموں میں اسلام کو جو وسعت اور وہاں کی آبادیوں پر غلبہ حاصل ہوا اس کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے انسائیکلو پیڈیا کی ضرورت ہوگی۔

آج کے دور میں دنیا منتظر ہے کہ آخر اس کے درد کا علاج کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ کیوں کہ آج دنیا میں بہت سارے مذاہب موجود ہیں۔ اسلام کے ماسوا سب مذاہب کی حقیقت گم ہو چکی ہے صرف نام رہ گیا ہے۔ یہ مذاہب انسان کی صحیح رہ نمائی سے قاصر ہیں۔

اس کام کا دوسرا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ زندگی کی فی الجملہ رہ نمائی کرنے، مسائل حیات کو حل کرنے اور ایک آئیڈیل خاندان، سماج اور نظام برپا کرنے کے لیے دوسرے مذاہب یا نظریات کے پاس کوئی روڈ میپ نہیں ہے۔ اب یہ کام صرف دعوت کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ عصر حاضر میں انسانی فلاح و بہبود اور اخروی نجات کی پوری اسکیم اور روڈ میپ صرف اسلام کے پاس ہے۔ مسلمان اس ملک کے انسانوں کو دعوت دینے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں تو وہ ضرور متوجہ ہوں گے۔ وہ آپ اپنے دشمن نہیں ہیں کہ ان کے سکون و اطمینان کے لیے آپ اسلام کو پیش کریں پھر

بھی وہ اس سے گریز کریں۔ ان کی فطرت انھیں کھینچ کر اسلام کی طرف لے آئے گی۔ لیکن کیا مسلمان دعوت کے ذریعہ اسلام کو پیش کر رہے ہیں؟ کیا ان کی سیرت و کردار اور عملی زندگیاں اسلام کی ترجمان ہیں؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس گفتگو کو ان آیات پر ختم کرنا مناسب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ (النحل: ۱۲۵۔۱۲۸)

''(اے نبیؐ!) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجیے۔ بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کی راہ سے بھٹکا اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف پہنچی ہو۔ اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کے لیے بہت بہتر ہے۔ اور (اے نبیؐ!) آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان (کفار) پر غم نہ کھائیں اور نہ آپ اس پر تنگی میں مبتلا ہوں جو وہ مکر (سازشیں) کرتے ہیں، بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں اور احسان (نیکی) کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

نفرت اور ظلم کا جواب دعوت سے

ساری دنیا میں اور خاص طور پر ہمارے ملک میں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت اور ان پر ظلم وتشدد کا ماحول بڑھتا جارہا ہے۔ اسلاموفوبیا کی مہم کے نتیجے میں غلط پروپیگنڈے نے نہایت سنگین اور کشیدگی کا ماحول پیدا کردیا ہے۔ مخالفانہ ماحول میں دعوت کی اہمیت اور ضرورت عام حالات سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یہ حالات مسلمانوں کے لیے نئے نہیں ہیں۔ تاریخ میں وہ اس طرح کے حالات سے متعدد بار گزر چکے ہیں۔ انبیاؑ کی تاریخ بھی اس پر گواہ ہے۔

مکہ میں جب دعوت عام کے مرحلہ کا آغاز ہوا تو الزامات، غلط پروپیگنڈے اور اعتراضات کا زور تھا لیکن چند ہی برسوں کے بعد شدید ظلم وستم اور اذیتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایسے حالات میں قرآن نے دعوت کے تعلق سے بہترین رہ نمائی فرمائی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿٣٤﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٣٥﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٦﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۳۳-۳۶)

''اور اس شخص سے زیادہ اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ: بے شک میں تو فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتیں۔ آپ برائی کو ایسی بات سے ٹالیے جو احسن ہو تو (آپ دیکھیں گے) یکا یک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی ہے (ایسا ہوجائے

گا) جیسے جگری دوست ہو۔اور یہ (خصلت) انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے نصیب والا ہو۔اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگیے۔حقیقتاً وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''

مولانا شبیر عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''پہلے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا الخ میں مخصوص مقبول بندوں کا ذکر تھا، جنہوں نے صرف ایک اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا۔ یہاں ان کے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں، یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے، اسی کی حکم برداری کا اعلان کرے، اسی کی پسندیدہ روش پر چلے اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے۔اس کا قول و فعل بندوں کو خدا کی طرف کھینچنے میں موثر ہو۔جس نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے بذات خود اس پر عامل ہو۔خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرماں برداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھکے، اس کا طرز قومیت صرف مذہب اسلام ہو اور ہر قسم کی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ نیتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلائے جس کی دعوت دینے کے لیے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے تھے اور صحابہ کرامؓ نے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔''

(تفسیر عثمانی، صفحہ ۶۳۸)

ان آیات میں حالات حاضرہ کے لحاظ سے مسلمانوں کے لیے بہت اہم رہ نمائی موجود ہے۔ یہ رہ نمائی اس عظیم ہستی کی طرف سے کی گئی ہے جو خالقِ انسان اور خالق کائنات ہے۔ جو انسان کی فطرت، اس کی کم زوریوں اور خوبیوں کو جیسا جانتا ہے کوئی دوسرا جان ہی نہیں سکتا۔انسان کی دوسرے انسانوں سے بلاوجہ دشمنی، نفرت اور اس کی بنا پر ظلم و ستم دور کرنے کا نسخہ ان آیات میں بتایا گیا ہے۔ یہ وہ خدائی نسخہ ہے جو کبھی ناکام نہیں ہوسکتا، الّا یہ کہ کوئی استثنائی صورت حال واقع ہو۔سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ان حالات میں مثبت تبدیلی کے لیے

مسلمانوں کے اندر مثبت تبدیلی پیدا ہونی ضروری ہے۔مسلمان قوم ہیں نہ کہ محض اقلیت۔ (اقلیت کے مروجہ مفہوم میں) نہ محض کوئی فرقہ (خواہ لسانی، لونی یا علاقائی)، بلکہ وہ خود کو داعیانِ حق سمجھیں اوراس خدائی نسخے کی مدد سے حالات کو بدلنے کے لیے کمر کس لیں۔اس کے لیےضروری ہے کہ مسلمانوں کی تمام جماعتیں، تنظیمیں، ادارے، مسالک، ٹرسٹ، سیاسی پارٹیاں، اپنے اپنے دائروں میں اپنے کاموں کو کرتے ہوئے دعوت دین کو بھی اپنے ایجنڈے میں شامل کریں اور دعوتِ دین کا کام کریں۔ان کے اندر مدعوئین کے تعلق سے نفرت کے جواب میں نفرت، ظلم وستم کے جواب میں ظلم وستم، دشمنی کے بدلے دشمنی، قوم پرستی کے مقابلے میں جوابی قوم پرستی، شدت پسندی کے جواب میں مسلم شدت پسندی ہرگز نہ پیدا ہو۔شیطان کی مسلسل کوشش ہوگی کہ فی الواقع ایسا ہوکر رہے لیکن مسلمان اس سے مکمل اجتناب کریں۔اللہ تعالیٰ نے تو انھیں اپنے دین کا داعی بنا کر بہت اونچا درجہ عطا فرمایا ہے اور عظیم ڈیوٹی ادا کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔دعوتی کام کرتے ہوئے ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت، عنایات اورانعامات کی بارش ہونے لگے گی۔اس کی مدت خواہ کتنی ہی دراز ہو، اس دوران مسلمان محسوس کرنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے، وہ اکیلے نہیں ہیں۔اس دعوتی سفر کے ہر مرحلے پر، ہر پڑاؤ پر، ہر موڑ پر وہ کہیں بھی تنہا نہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔بس شرط یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں میں دعوت کا جھنڈا ہو۔وہ دعوتِ دین کے لیے متحد اور یکسو ہوں۔دعوت دین کے لیے دن رات سخت محنت کریں، اپنے تمام وسائل، صلاحیتیں (Talents) اور جدید ٹیکنالوجی کے وسائل اس کے لیے لگادیں۔دعوت کا کام چھوڑ دینے کے نتیجے میں مسلمان آزادی کے بعد سے اب تک مختلف چیلنجز اور خطرات کا سامنا کررہے ہیں۔اب وہ یہ طے کرلیں کہ دعوت دین کے لیے مل جل کر بھی اوراپنے اپنے طور پر بھی مسلسل کام کریں گے۔

مسلمانوں کو قرآن کی رہ نمائی میں دشمنوں کو جگری دوست بنانے والے خدائی نسخے پر دعوت دین کے ذریعہ عمل کرکے آگے بڑھنا چاہیے۔اس خدائی نسخے کی کامیابی کی ضمانت کے لیے اتنا یاد رکھنا کافی ہے کہ اس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فرمائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرکے مکہ اور مدینہ دونوں جگہ کامیاب رہے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ بدی کو

اعلیٰ درجہ کی نیکی کے ذریعہ دفع کیا جائے۔

موجودہ حالات میں، جب کہ اسلاموفوبیا کی مہم زوروں پر ہے اور جو تمام برادران وطن کو متاثر کر رہی ہے۔ اس سے گاؤں، دیہات، شہر اور ہر جگہ کے باشندے متاثر ہو رہے ہیں۔ سوشل میڈیا مہم الگ سے طوفان برپا کیے ہوئے ہے۔ آئی ٹی سیل والے دن رات اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہے ہیں۔ کروڑوں روپے، ہزاروں افراد، بہترین دماغ، باصلاحیت نوجوان اس پروپیگنڈہ مشنری میں جھونک دیے گئے ہیں۔ متعدد شہروں، بلکہ قصبات اور دیہاتوں میں مسلمانوں کو الگ تھلگ (Isolate) کیا جا رہا ہے۔ برادران وطن پولرائز (Polarise) ہو رہے ہیں۔ یہ صورت حال صرف مسلمانوں یا برادران وطن ہی کے لیے نہیں، بلکہ پورے ملک اور سماج کے لیے بے حد خطرناک ہے۔ ملکی سالمیت، اتحاد اور یکجہتی اسلاموفوبیا کی اندھی مہم میں پارہ پارہ ہو جائیں گی۔ آج اس عظیم ملک کو دعوت دین کے ذریعے بچانے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار نہ ہونے دینے کی ذمہ داری صرف مسلمانوں کی ہے۔

دعوت کا مفاد سب سے اہم ہے۔ اس کی حفاظت اور بقا دراصل مسلمانوں کی حفاظت اور بقا کا سامان ہے۔ دعوت کا مفاد اسی میں ہے کہ مسلمان کسی کو بھی خود سے اپنا دشمن بنانے سے گریز کریں۔ برادرانِ وطن سے بلاامتیاز عقیدہ و مذہب ملاقاتوں کا پروگرام بنائیں۔ خاص طور پر ان سے ایسی دوستی کی جائے جس کے نتیجے میں وہ مسلمانوں سے قریب ہوں۔ ان کے ہاں خوشی، غم اور دیگر تقریبات کے مواقع پر ضرور جانا چاہیے، خواہ ان کی طرف سے اس کی دعوت ملی ہو یا نہ ملی ہو۔ وہ ناراض نہیں ہوتے بلکہ بالعموم پسند کرتے ہیں کہ مسلمان ان سے ملیں۔ ان کے اہم پروگراموں، مثلاً سنتوں کی جینتی یا تہوار وغیرہ کے مواقع پر ضرور جانا چاہیے۔ ان سب معاملات میں صرف شرک اور غیر اخلاقی حرکات سے مسلمان خود کو بچا کر رکھیں۔ برادران وطن سے ملنے جلنے کی وجہ سے وہ اسلام کی بعض تعلیمات اور قدروں کو مسلمانوں کی زندگی میں دیکھ سکیں گے۔ ان مواقع پر بس مسلمان موقع محل کی مناسبت سے قرآن کی ایک دو آیات و احادیث بتا دیں۔ حضور اکرمؐ کی مبارک زندگی سے کوئی واقعہ سنا دیں۔ یقین رکھیں کہ وہ یہ سب سن کر برا

نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ ان کو اس طرح کی باتیں پہلے کسی نے نہیں سنائیں یا وہ پہلی بار ایسی اچھی اچھی باتیں سن رہے ہیں۔ وہ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ برادران وطن پڑوسی یا دکان دار اور ان کی دکان سے سودا سلف لینا ہوتا ہے یا کسی اور نسبت سے ان سے ملنا جلنا ہوتا ہے ان سے دعوت کا تعلق جاری رکھیں۔ ان سے گہری ہم دردی، جذبۂ خیر خواہی اور انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ دعوت پیش کی جائے اور ان کے لیے قبول حق کی دعا کر کے جہنم کی آگ سے ان کو بچانے کی کوشش کی جائے۔

غرض یہ کہ برادران وطن کو دعوت دینے اور انھیں سمجھانے کے لیے ان سے گھل مل کر رہنا ضروری ہے۔ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن کر اور دوری رکھ کر کسی گاؤں، شہر یا علاقے میں آخر دعوت کیسے پہنچائی جاسکتی ہے؟ دعوت ہمیشہ تقریروں، قرآن مجید کے دروس، خطابات، کتابوں اور فولڈرس کے ذریعہ نہیں پہنچائی جاسکتی۔ ویسے بھی اس طرح کے پروگراموں میں شریک ہونے والوں کی تعداد ہمیشہ بہت کم ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ مل جل کر رہنا، ان سے تعلقات قائم رکھنا، اور خیر خواہانہ مشوروں کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ سماجی رشتے دراصل عملی دعوت کے لیے راہیں ہموار کرتے ہیں۔ ویسے بھی انسانی رشتے سے وہ مسلمانوں کے بھائی ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ برادرانہ سلوک، حسنِ اخلاق اور بے لوث خدمت کا رویہ ضرور اختیار کرنا چاہیے۔

سورۂ حٰمٓ السجدہ کی مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

> ''ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے، اس کی تعلیم دی گئی ہے، یعنی خوب سمجھ لو نیکی، بدی کے اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہوسکتیں، دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے، بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے، لہٰذا ایک مومنِ قانت اور خصوصاً ایک داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے، بلکہ جہاں تک گنجائش ہو، برائی کے مقابلے میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی اسے سخت بات کہے، یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو۔ مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب وشائستگی اور سختی کے جواب

میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس طرز عمل کے نتیجے میں تم دیکھ لوگے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا بلکہ ممکن ہے، کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے۔ ہاں کسی شخص کی طبیعت کی افتاد ہی سانپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے۔ ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں۔ بہر حال دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہونے والوں کو بہت زیادہ صبر و استقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہے۔'' (تفسیر عثمانیؒ، صفحہ ۶۳۹)

ہمارے ملک میں بعض عناصر اور گروہ کج فہمی اور قوم پرستی کے منفی جذبے سے نفرت وتعصب اور ظلم وتشدد کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اور ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اس سے ایک مخصوص فرقہ یا ملک اور سماج کا فائدہ ہوگا۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ یہ آگ اگر بجھائی نہیں گئی تو سب کو اپنے لپیٹ میں لے لے گی۔ یہ کسی کو فائدہ پہنچانے والی نہیں ہے۔ مسلمانوں کا رویہ قرآن واسوۂ رسولؐ کی روشنی میں جوابی نفرت وتعصب اور ظلم وتشدد کا نہیں ہونا چاہیے۔ قوم پرستی کا جواب قوم پرستی نہیں ہے، بلکہ خدا پرستی کی دعوت ہے۔ تمام انسانوں سے محبت اور خیر خواہی اور ان کی فلاح ونجات کے لیے تڑپنا ہے۔ انسانوں سے حسن سلوک اور اچھے اخلاق سے پیش آنا ہے۔ ظاہر ہے کہ آگ کو بجھانے کے لیے آگ نہیں لگائی جاتی بلکہ اس کو بجھانے کے لیے ٹھنڈے پانی کے فوارے چاہیے۔ پانی سے آگ بجھائی جاتی ہے۔ شدید گرمی کا موسم ہو تو اس سے بچنے کے لیے اے سی اور ٹھنڈے مشروبات استعمال کیے جاتے ہیں۔ گرمی سے بچنے کے لیے کوئی آگ نہیں سلگاتا۔ سردی سے بچنے کے لیے ہیٹر کا استعمال کرتے ہیں۔ دنیا کا عام قاعدہ تو یہی ہے۔

دعوت شدید مخالفانہ ماحول میں بھی ضروری ہے

کار دعوت انجام دینے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے بھی ہمیں اہم رہ نمائی ملتی ہے۔ آپؐ کی سیرت کے بعض واقعات ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔

۶ ہجری میں حضور اکرمؐ نے بادشاہوں، گورنروں اور حکمرانوں کو دعوتی خطوط ارسال

فرمائے تھے۔ جن لوگوں کو خطوط بھیجے گئے ان میں 'ثمامہ بن اثال' کا نام نمایاں ہے۔ ان کا شمار عرب کے بڑے سرداروں میں ہوتا تھا۔ یہ قبیلہ بنوحنیفہ کے سردار تھے اور یمامہ کے علاقے میں رہتے تھے۔

ثمامہ کو جب رسول اکرمؐ کا خط ملا تو اس نے بڑی حقارت سے اسے رد کر دیا اور اس پر اسلام دشمنی کا جنون طاری ہو گیا۔ رسول اکرمؐ کے قتل کی کوشش کی اور صحابہ کرامؓ کو نقصان پہنچانے اور مدینہ کی بستی کو اجاڑنے کا عزم کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ بہت سے صحابہ کرامؓ کا محاصرہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ یہ اندوہ ناک خبر سن کر رسول اکرمؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ ثمامہ جہاں کہیں ملے اسے قتل کر دیا جائے۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد ثمامہ نے بیت اللہ کی زیارت کے لیے سفر کا قصد کیا۔ ابھی وہ مدینہ کی سرحد میں تھا کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے جو مدینہ کی سرحدوں کی نگرانی پر مامور تھی، انھیں دیکھ لیا۔ وہ ان کو پہچانتے نہیں تھے، مشتبہ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور لا کر مسجد نبوی میں ستون سے باندھ دیا۔ رسول اکرمؐ کو خبر کی گئی۔ آپؐ تشریف لائے اور دیکھتے ہی فرمایا: یہ تو ثمامہ بن اثال ہے۔ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ پھر آپؐ گھر تشریف لائے اور فرمایا: گھر میں جو کھانا ہے وہ ثمامہ کے لیے بھیج دیا جائے، پھر آپؐ نے حکم دیا کہ میری اونٹنی کا دودھ صبح وشام اسے پلایا جائے۔ پھر ثمامہ کے قریب جا کر پوچھا: کہو، ثمامہ کیا حال ہے۔ ثمامہ نے کہا: اے محمدؐ! اگر آپؐ مجھے قتل کر دیں تو یقیناً اس شخص کو قتل کریں گے جس نے آپؐ کے صحابہ کا خون بہایا۔ اگر معاف فرما دیں تو ایک قدردان پر مہربانی ہوگی اور اگر مال چاہیے تو جس قدر فرمائیں، مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ رسول اکرمؐ خاموش رہے۔ مزید دو دن اسی طرح سوال وجواب کا سلسلہ جاری رہا۔ روزانہ ثمامہ کو صبح وشام کھانا اور دودھ برابر ملتا رہا۔ غور فرمائیں، یہ حسن سلوک، انسان کی تکریم اور عفو ودرگزر کا رویہ اس شخص کے ساتھ ہے جس نے خود رسول اکرمؐ کے قتل کی ناکام کوشش کی تھی اور کئی صحابہ کرامؓ کو شہید کر دیا تھا۔

تیسرے دن کے سوال وجواب کے بعد رسول اکرمؐ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو آزاد کر دو، وہ جہاں چاہیں جائیں۔ ثمامہ نے اپنی اونٹنی لی اور قریب میں ایک چشمہ میں نہا دھو کر مسجد نبوی واپس

آئے اور وہاں موجود صحابہ کرامؓ کے سامنے بہ آواز بلند کہا: **اشھد ان لا الہ اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ** ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' رسول اکرمؐ کو ان کے اسلام لانے سے بے پناہ مسرت ہوئی۔ ثمامہؓ نے رسول اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا: یا رسول اللہؐ! اللہ کی قسم اسلام قبول کرنے سے پہلے روئے زمین میں سب سے بڑھ کر آپؐ کے چہرے سے (نعوذ باللہ) نفرت اور عداوت تھی، لیکن آج تمام کائنات میں آپؐ کا چہرہ مبارک مجھے محبوب ترین ہے۔

اللہ کی قسم، آج سے پہلے آپؐ کے دین اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب مجھے مبغوض نہ تھا لیکن اب مجھے اسلام سے بڑھ کر کوئی دوسرا دین محبوب نہیں ہے۔

اللہ کی قسم، مدینہ شہر مجھے سب سے بڑھ کر برا لگتا تھا، لیکن آج مدینہ سے بڑھ کر کوئی دوسرا شہر میرے نزدیک محبوب نہیں ہے۔

اس کے بعد درد بھرے لہجے میں عرض کیا: یا رسول اللہؐ! مجھے بے حد دکھ ہے کہ میں نے کئی صحابہ کو قتل کر دیا تھا۔ بھلا میرا یہ جرم کیسے معاف ہوگا؟ رسول اکرمؐ نے تسلی دی کہ زمانۂ جاہلیت کے تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ ثمامہؓ نے جواب میں کہا: جس قدر سرگرمی سے اسلام کا مخالف تھا، اب پہلے سے بڑھ کر اسلام اور جہاد میں لگا رہوں گا۔

ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فتنۂ ارتداد کے زمانے میں اپنے قبیلے والوں کو اسلام پر قائم رکھا اور پورے قبیلے کو ساتھ لے کر مسلیمہ کذاب کے خلاف جہاد کیا اور کامیاب ہوئے۔

دوسرا واقعہ حضرت عکرمہ بن ابوجہل کا ہے۔ یہ ابوجہل کے بیٹے تھے۔ اپنے باپ کی طرح یہ بھی قریش میں سب سے معزز اور مال دار تھے۔

عکرمہ نے بھی اپنے باپ ابوجہل کی پیروی میں مسلمانوں پر بے حد مظالم ڈھائے۔ اذیتیں پہنچائیں۔ جنگ بدر میں اپنے باپ کے ساتھ شریک جنگ ہوئے، بلکہ انھیں جنگ میں ایک اہم پوزیشن حاصل تھی۔ جنگ بدر میں انھوں نے اپنے باپ کو قتل ہوتے دیکھا، جس کی وجہ سے ان کی اسلام دشمنی میں اضافہ ہو گیا، کیوں کہ اب باپ کا انتقام بھی لینا تھا۔ دشمنی اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھی۔ عکرمہ مکہ اور عرب میں دوسرے لوگوں، خاص طور پر بدر کے

مقتولین کے ورثا کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑکانے لگے۔ جنگ احد میں اپنی بیوی ام حکیم کو بھی ساتھ لیا، تاکہ وہ دوسری خواتین کے ساتھ ڈھول بجا کر جنگ جوؤں میں انتقام کی آگ بھڑکاتی رہے۔ وہ جنگ خندق میں بھی شریک رہے۔ فتح مکہ میں اگرچہ رسول اکرمؐ نے قریش کے لیے عام معافی کا اعلان فرمادیا تھا، لیکن چند اشخاص ایسے تھے جن کا نام لے کر آپؐ نے حکم فرمایا تھا کہ اگر یہ کعبہ کے پردوں سے لپٹے ہوئے ہوں تو بھی انھیں قتل کر دیا جائے۔ ان میں عکرمہ بن ابوجہل کا نام بھی تھا۔ اب عکرمہ کے لیے مکہ اور عرب میں رہنے کا کیا سوال تھا۔ چنانچہ وہ یمن کی طرف نکل گئے۔ ادھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ اس موقع پر عکرمہ کی بیوی ام حکیم نے اسلام قبول کرلیا۔ انھوں نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہؐ! عکرمہ اس ڈر سے یمن بھاگ گئے ہیں کہ کہیں آپ انھیں قتل نہ کردیں۔ ازراہ کرم آپ اسے پناہ دے دیں۔ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: آج سے وہ پناہ میں ہے۔

ام حکیمؓ اپنے شوہر عکرمہ کی تلاش میں نکلیں۔ علاقہ تہامہ کے ساحل سمندر پر انھیں جالیا۔ شوہر کو آمادہ کر کے رسول اکرمؐ کی خدمت میں لانے میں کامیاب رہیں۔

عکرمہ جب مکہ پہنچ کر رسول اکرمؐ کی مجلس میں حاضر ہونے والے تھے تو آپؐ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا: عن قریب عکرمہ بن ابوجہل تمہارے پاس مومن اور مہاجر بن کر آئے گا۔ اس کے باپ کو گالی نہ دینا، اس لیے کہ میت کو گالی دینے سے اس کے لواحقین کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ گالی میت کو نہیں پہنچتی۔

تھوڑی دیر کے بعد عکرمہ اور ان کی بیوی ام حکیمؓ رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپؐ نے انھیں دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ ان کی طرف لپکے اور فرمایا: اے مہاجر شہ سوار! خوش آمدید۔ عکرمہ نے دریافت کیا: یارسول اللہؐ! آپؐ کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو۔ عکرمہ نے کہا: یقیناً آپؐ نے حق بات کی طرف دعوت دی ہے اور خیر و بھلائی کا حکم دیا ہے۔ پھر اس کے بعد کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپؐ یہ دعوت پیش کرنے سے پہلے بھی ہم میں سب سے زیادہ سچے اور

صالح انسان تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد عکرمہؓ نے رسول اکرمؐ سے عرض کی: یارسول اللہؐ! آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کریں۔ ہر وہ عداوت اور مقابلہ جو میں آپؐ کے ساتھ کرتا رہا، آپؐ کی حاضری یا غیر حاضری میں اذیت پہنچانے والی باتیں کیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ معاف کردے۔ رسول اکرمؐ نے دعا فرمائی۔ عکرمہؓ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ انھوں نے کہا: یارسول اللہؐ اللہ کی قسم، پہلے میں اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے جو کچھ خرچ کرتا تھا، اب اس سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے کے لیے میں نے بہت سی جنگیں لڑی ہیں، اب پہلے سے زیادہ اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا۔

حضرت عکرمہؓ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ وہ ہر جنگ میں شریک رہے اور معرکۂ یرموک میں آپ شہید ہو گئے۔

فریضۂ دعوت دین کی ادائیگی حالات کے سازگار یا ناسازگار اور موافق یا مخالف ہونے پر منحصر نہیں ہے۔ حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں دعوت دین کا کام برابر جاری رہنا چاہیے۔ یہ نغمۂ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ۔ اگر حالات کے اندر شر وفساد، تخریب اور بگاڑ، بدامنی اور انتشار پایا جاتا ہے یا بڑھتا جاتا ہے تو ایسے سخت حالات کو بدلنے کی طاقت صرف دعوت میں ہے۔ یہ کوئی محض دعویٰ نہیں ہے، قرآن وسنت اور مسلمانوں کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ خود رسول اکرمؐ کا عظیم کارنامہ، عرب میں اسلامی انقلاب اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ اسلام سے پہلے مکہ اور عرب کے حالات کیسے تھے؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ دنیا کی تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں۔ محض تیئس (۲۳) برسوں میں رسول اکرمؐ کی دعوت کے ذریعہ عرب میں ایک عظیم انقلاب آ گیا۔ یہ کوئی راز نہیں ہے۔ رسول اکرمؐ کے دور میں مکہ اور عرب میں جہالت عام تھی، تعلیم نہیں تھی، لیکن آپؐ نے کوئی تعلیمی تحریک نہیں چلائی۔ اس دور میں معاشی صورت حال یہ تھی کہ کچھ افراد اور گھرانے بے حد مال دار تھے لیکن عام عرب غربت، مفلسی اور فاقہ کشی کا شکار تھے۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ بھوک مٹانے کے لیے بعض اوقات وہ لوگ مردہ جانوروں کا گوشت تک کھانے پر مجبور تھے۔ لیکن اس خراب صورت حال کو بدلنے کے لیے رسول اکرمؐ نے کوئی معاشی تحریک نہیں چلائی۔ عرب میں سیاسی طور پر کوئی منظم

حکومت نہیں تھی، کوئی مرکزی اقتدار نہیں تھا جس کے سب پابند ہوں، اگرچہ اس دور میں عرب کے باہر حکومتیں اور بادشاہتیں تھیں، لیکن رسول اکرمؐ نے کوئی سیاسی تحریک نہیں چلائی، تاکہ ایک منظم حکومت قبائلی نظام کی جگہ قائم کی جائے، بلکہ ایک ہی دعوت قولوا لا الٰہ الا اللہ و تفلحوا (لا الٰہ الا اللہ کہو اور کامیاب ہو جاؤ) پیش فرمائی۔

آج ملک کے موجودہ سنگین حالات میں مکی دور کے حالات سے بعض مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ پہلے مکی دور کے حالات پر غور کریں۔ یہ بات صحیح ہے کہ وہاں کوئی سیاسی نظام جمہوریت یا پارٹی سسٹم قائم نہیں تھا۔ قبائلی نظام اپنے پورے شان اور آن بان سے قائم تھا۔ قبائلی نظام کی خوبیاں اور کمزوریاں دونوں پائی جاتی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ پر غار حرا میں پہلی وحی کے نزول کے بعد ابتدائی وقفۂ دعوت کا دور تقریباً ڈھائی تین سال رہا۔ اس کے بعد دعوت کا اعلانِ عام ہوا۔ آپؐ کوہ صفا پر چڑھ کر اس دعوت کا اور اپنی نبوت کا اعلان عام کرتے ہیں۔ آغاز میں تو سمجھا گیا کہ آبائی مذہب کے خلاف یہ نیا دعویٰ چل نہیں پائے گا لیکن دھیرے دھیرے لوگ حق قبول کرتے گئے۔ اس کے بعد الزامات، اعتراضات، بے تکے سوالات اور جھوٹے پروپیگنڈے کا بڑے پیمانے پر سہارا لے کر دعوت حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کی گئی۔ آپؐ پر شاعر، کاہن اور ساحر ہونے کا الزام لگایا گیا۔ دعوت حق سے باز آنے کے لیے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی گئی اور پرکشش پیش کش بھی ہوئی۔ کہا گیا کہ آپؐ کو مکہ کا بادشاہ بنالیا جائے گا۔ مال و دولت کے ڈھیر آپؐ کے قدموں میں ڈال دیے جائیں گے وغیرہ۔

ان سب کوششوں کے باوجود قبولیت حق کا سلسلہ برابر جاری رہا تو ظلم و ستم، تشدد اور اذیت رسانی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ خود رسول اکرم ﷺ کو اذیت ناک تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ یہاں تک کہ تین سالہ دور شعب ابی طالب میں سوشل بائیکاٹ کا گزرا۔ یہ تمام واقعات نہایت دردناک ہیں۔ صحابہ کرامؓ اور صحابیات کے حالات سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

مکہ میں اذیت رسانی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جو سب کے درمیان ہر دل عزیز اور معروف شخصیت تھے، ایک بار لوگوں نے ان کو مار مار کر ادھ

مرا کر دیا۔ یہاں تک کہ لوگ سمجھے، یہ مر جائیں گے۔ چنانچہ ان کے قبیلے کے افراد تلواریں لے کر آئے اور چادر میں ڈال کر ان کو گھر لے گئے۔ جب حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ جیسی معزز شخصیتوں کے ساتھ یہ سلوک روا تھا تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دیگر صحابہؓ بالخصوص غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ کس طرح کا ظالمانہ برتاؤ کیا جاتا ہوگا۔ مکہ کے حالات اتنے خراب تھے کہ دو مرتبہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے حبشہ کو ہجرت کی۔ کفار اور مشرکین کی مختلف ناروا حرکتوں میں سے ایک حرکت یہ بھی تھی کہ آپؐ قرآن سناتے تو ہلڑ مچایا جاتا، شور اور ہنگامہ برپا کیا جاتا، تاکہ لوگ قرآن سن نہ سکیں۔ جن لوگوں نے آبائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا ان سے گھر واپسی کا پرزور اور پرتشدد مطالبہ کیا جاتا۔ تجارت پیشہ لوگوں کو تجارت ختم کرنے کی دھمکیاں دی جاتی تھیں۔ مکہ کے قیام کے دوران طائف کا واقعہ پیش آیا۔ لیکن ان شدید حالات کے باوجود دعوت کا کام ایک لمحہ کے لیے بھی بند نہیں کیا گیا۔

ہجرت مدینہ کے بعد اگرچہ اسلامی دعوت کو ایک مرکز میسر آ گیا، لیکن یہ چھوٹی سی بستی اطراف کے قبائل اور یہودیوں کے نرغے میں آ گئی تھی۔ خود مکہ میں قریش کہاں خاموش بیٹھنے والے تھے۔ وہ مسلسل اپنے اتحادیوں کے ساتھ سازشوں میں لگے رہے۔ مدینہ کے دس سالہ قیام کے دوران ستائیس (۲۷) غزوات اور پچپن (۵۵) سرایا ہوئے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ہر سال کم از کم اوسطاً آٹھ (۸) جنگی مہمات ہوئیں۔ گویا مدینہ دس برسوں تک جنگی کیمپ بنا رہا۔ لیکن اس پورے عرصے میں دعوت کا کام کہاں بند ہوا؟ کب بند ہوا؟

اس پوری مدت میں دعوت علی الاعلان پیش کی گئی اور کوئی مداہنت نہیں برتی گئی۔ مدینہ میں ہی ایک چھوٹے سے اسلامی معاشرہ سے آگے بڑھ کر اسلامی ریاست قائم ہوئی جو ایک فلاحی اور رفاہی ریاست تھی۔

اس دعوت کا آغاز بظاہر رسول اکرمؐ کی تنہا ذات گرامی سے ہوا تھا۔ آپ کے ساتھ شروع میں بمشکل چار افراد ایمان لائے تھے۔ پھر مسلسل لوگ اہل ایمان کے قافلے میں شامل ہوتے گئے۔ اس طرح مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے والے کئی سو افراد تھے۔ مدینہ میں ایک سال گزرنے پر جنگ بدر میں ۳۱۳/ افراد کی جمعیت تھی۔ اس کے بعد صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے

واقعات پیش آئے۔ اسلام کی دعوت عظیم سیلاب کی رفتار سے بڑھتی چلی گئی، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جو لشکر روانہ ہوا تھا وہ دس ہزار صحابہ کرامؓ پر مشتمل تھا۔ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ تھے۔ دعوت کی ان فتوحات اور کامیابیوں میں کیا ہم مسلمانوں کے لیے کوئی رہنمائی نہیں ہے؟

دعوت کے نقطۂ نظر سے حالات کو سمجھنے، تجزیہ کرنے اور صحیح نتائج اخذ کر کے دعوتی لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ پچھلے چند برسوں سے حالات بہت تیزی سے بدلے ہیں۔ ماضی میں بھی حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہے ہیں۔ تغیرات اور انقلابات تو ہر زمانے کی خصوصیت ہے۔ لیکن آج کے حالات میں انتہائی تشویش کا پہلو یہ ہے کہ امن وسلامتی، خیر وبھلائی، تعمیر اور ترقی، حقوق کی حفاظت اور تکریم انسان، عقیدہ ومذہب کی آزادی کے بجائے شر وفساد اور بگاڑ، انسانی حقوق کی بڑے پیمانے پر پامالی، بدامنی وانتشار، قتل ناحق، عورتوں، بچیوں اور کمزور طبقات پر مظالم اور جرائم میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہ حالات کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے، بلکہ ملک اور باشندگان ملک کے لیے زبردست خطرہ اور تباہی کا باعث ہیں، کیوں کہ ظلم جب بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ظالم کی رسی دراز کرتا ہے اور نعمتوں سے بھی خوب نوازتا ہے۔ اس سے ظالم فرد یا گروہ سمجھتے ہیں کہ وہ سب ٹھیک کر رہے ہیں۔ لیکن جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے تو اللہ کے عذاب کا کوڑا حرکت میں آتا ہے اور ظالموں کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔

یہ حالات اتفاقیہ نہیں ہیں۔ ایک سوچے سمجھے ایجنڈے کے تحت حالات کو ایک خاص رخ پر منصوبہ بند اور منظم انداز سے لے جایا جارہا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر اسلاموفوبیا مہم کا سرمایہ دارانہ ممالک اور اسلام اور مسلمان مخالف طاقتیں سب ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ملک کا دستور ختم کر کے نیا دستور لانے کا منصوبہ بنایا جارہا ہے۔ ملک میں صدیوں سے ہندو مسلم، دلت، سکھ اور بودھ سب بھائی بھائی بن کر رہ رہے ہیں۔ اس سماجی تانے بانے کو ختم کرنے کی کوششیں ہیں۔ سوشل میڈیا (آئی ٹی سیل) کے ذریعہ کروڑوں روپیوں اور افرادی وسائل کے سہارے قوم پرستی اور مسلم دشمنی کو بڑھاوا دیا جارہا ہے۔ حقوق انسانی کی تنظیمیں، سماجی کارکنان (Social Activist) اور سول سوسائٹی کے افراد کے سلسلے میں پے در پے ایسے اقدامات کیے جارہے ہیں جس سے تنقید اور اختلاف رائے کی فضا ختم ہو جائے۔ ملک میں جمہوری نظام ہی نہیں، بلکہ جمہوری قدریں بھی

ختم ہوکر رہ جائیں۔ عدلیہ کا رول محدود اور غیر متاثر کن ہوکر رہ گیا ہے۔ تعلیم کے شعبہ میں ایسی تبدیلیاں ہورہی ہیں کہ ایک مخصوص مذہب کے مشرکانہ عقائد، دیومالائی کہانیوں اور توہمات کا بول بالا ہوجائے۔ تہذیبی جارحیت کی راہ ہموار ہوجائے اور تعلیم کا بھگوا کرن مکمل طور پر ہوجائے۔ تاریخ کو مسخ کیا جارہا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گرد، ملک اور انسانیت کے لیے سب سے بڑا خطرہ بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔ بطور نمونہ یہاں ان کے چند اقدامات اور الزامات پیش کیے جارہے ہیں۔ اس پر نظر ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ حالات کس قدر مسلم مخالف ہوتے جارہے ہیں:

- ۲۰۲۰ تک مسلمان عیسائی مُکت بھارت بنایا جائے۔
- ایک مخصوص نعرہ نہ لگانے والوں کو قبرستان یا دوسرے ملک بھیج دیا جائے، یہاں وہ نہ رہیں۔ یہ بات پارلیمنٹ میں بھی کہی گئی ہے۔
- گھر واپسی کی تحریک •اینٹی کنورژن بل •کامن سول کوڈ
- ایک جج صاحب کا بیان کہ میرا بس چلے تو گیتا کی تعلیم کو لازمی قرار دے دوں۔
- لو جہاد، پاپولیشن جہاد اور کورونا وائرس جہاد
- بہو بیٹی بچاؤ اندولن •سوریہ نمسکار •یوگا •سرسوتی وندنا
- دینی مدارس دہشت گردی کے اڈے ہیں۔
- مساجد میں فرض نمازوں کے بعد جنگ کرنے کی تعلیم اور تربیت دی جاتی ہے۔
- غلط افواہوں کو بڑے پیمانے پر پھیلانا۔ •ماب لنچنگ
- اقلیتوں کے خلاف کارروائیاں •دلتوں پر مظالم کا سلسلہ۔

اس طرح کے حالات اہل ملک اور مسلمانوں کے لیے نئے نہیں ہیں۔ ایک خوش آئند پہلو جو نہایت قابل قدر ہے۔ وہ یہ کہ اس ملک میں بہت بڑی تعداد میں لوگ آج بھی ان حالات کو ناپسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حالات بدلیں۔ اس کے لیے وہ کوششیں بھی کررہے ہیں۔ ملک کی یہ اکثریت زیادہ تر برادران وطن پر مشتمل ہے۔ ان میں 'NGO's' Human Right Activists, Social Activists، سول سوسائٹی کے لوگ اور دلت وآدی باسی بھی شامل ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ان حالات کو پرامن ،جمہوری،اخلاقی اور تعمیری طریقے اختیار کرکے کسی تدبیر یا اسکیم کے ذریعہ بدلا جاسکتا ہے؟ کیا مسلمانوں کی تعلیمی ،معاشی ،سیاسی اور دیگر ایجنڈوں کے ذریعہ کام یابی کا امکان ہے؟ کیا پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں قانون سازی کرکے فرقہ وارانہ منافرت، دشمنی، عدم برداشت اور تعصّبات کا خاتمہ ممکن ہے؟ ماضی کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی ہے۔مذکورہ بالا کوششوں کو جاری رکھنا چاہیے،لیکن یہ حالات کو بدل نہیں سکتے۔ان کو اسلام کا پیغامِ امن ومحبت،تکریم انسان اور وحدتِ انسان پہنچانا ضروری ہے۔

قرآنی انقلاب

ملک کے موجودہ حالات کے بعض پہلو مکہ کے حالات سے ملتے جلتے ہیں۔مکہ میں شدید مخالفت اور ظلم وستم کے دور میں جوابی مخالفت ،ظلم وستم اور تشدد کی تعلیم نہیں دی گئی۔ مخالفانہ اور نفرت ودشمنی پر مبنی کفار ومشرکین کے رویے کو بدلنے کے لیے ایک انقلابی پروگرام قرآن مجید میں رسول اکرمؐ کو دیا گیا۔رسول اکرمؐ اس پر مکی زندگی میں ۱۳ سال اور مدنی زندگی میں ۱۰ سال عمل پیرا رہے۔اس طرزِ عمل میں تبدیلی کا ایک ہی راستہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ (الفرقان:۵۲)

''اے نبی! آپؐ ان کافروں کی پیروی مت کیجیے۔اس قرآن کو لے کر جہاد کبیر کیجیے۔''

نعوذ باللہ! رسول اکرمؐ کافروں کی پیروی نہیں کررہے تھے۔آپؐ کے مخالفین کو بتادیا گیا کہ ہمارے رسول تمہاری کوئی بات نہیں مانیں گے تم اس طرف سے ناامید رہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کو لے کر جہاد کبیر کرو،یعنی قرآن کے پیغام امن وانسانیت،اس کی جامع تعلیمات اور خدائی ہدایت ورہ نمائی کو عام کرو۔

یہ ملک جانتا ہی نہیں کہ قرآن کیسی کتاب ہے اور اس کا حقیقی پیغام کیا ہے؟ مسلمانوں نے یہ کام ہی نہیں کیا ہے۔اس کا خمیازہ وہ بھگت رہے ہیں۔ان کا فریضہ ہے کہ وہ دعوت دین کو عام کریں۔لوگ اس کو جیسے جیسے سمجھنے لگیں گے،ان کے ذہن وفکر اور سوچ میں انقلاب آتا جائے گا۔

یہیں سے تبدیلیِ حالات کا ایک ایسا چشمہ پھوٹ نکلے گا جس کے بعد مخالفتیں ،نفرتیں،تعصّبات اور عداوتیں،سب دم توڑ کر بے بس ہوجائیں گی۔موجودہ حالات میں اور مستقبل میں دعوت دین کے سوا دوسری کوئی تدبیر،منصوبہ اور اسکیم ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کا حل اور ان کو درپیش چیلنجز کا جواب نہیں بن سکتا۔مسلمانوں کو جس عزت، برابری، ساجھے داری اور سربلندی کی آرزو ہے وہ دعوت دین کے فریضہ سے منہ موڑ کر خودساختہ تدابیر،منصوبوں اور دیگر اسکیموں سے نہیں مل سکتی۔اس بات کا انھیں یقین کامل ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس فریضے کی ادائیگی کے لیے یکسو ہوجائیں اور اپنی ذہنی ساخت(Mind set)میں بنیادی تبدیلی پیدا کریں۔ان کو چاہیے کہ وہ:

- مشرکوں کے شرک سے تو نفرت کریں،لیکن ان کی ذات سے نفرت نہ کریں۔
- کافروں کے کفر سے تو نفرت کریں،لیکن ان کی ذات سے نفرت نہ کریں۔
- ملحدوں کے الحاد سے تو نفرت کریں،لیکن ان کی ذات سے نفرت نہ کریں۔
- قاتلوں کے قتل سے تو نفرت کریں،لیکن ان کی ذات سے نفرت نہ کریں۔
- ظالموں کے ظلم سے تو نفرت کریں،لیکن ان کی ذات سے نفرت نہ کریں۔
- لٹیروں اور حملہ آوروں کے لوٹ مار سے تو نفرت کریں،لیکن ان کی ذات سے نفرت نہ کریں۔یہی نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔

فریضۂ دعوت دین کو عملاً اپنی زندگی میں اختیار کرنے کے بعد مسلمان اس ملک میں ایک نئی تاریخ رقم کریں گے اور ایک نئے دور کا آغاز ہوگا انشاءاللہ۔مسلمان اس ملک میں دعوت دین کا کام شروع کردیں تو ان شاءاللہ نہ صرف یہ کہ ان کے جائز مقاصد کے حصول میں کام یابی اور برکت ہوگی، بلکہ مجموعی طور پر دعوت کا کام آگے بڑھے گا، کیوں کہ فریضۂ دعوت کسی جماعت، تنظیم یا ادارے کا مشن نہیں ہے، بلکہ تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

فریضۂ دعوت کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان موجودہ صبر آزما اور چیلنجز سے بھرے

ہوئے حالات میں مشتعل نہ ہوں۔ مرعوب کرنے کی تمام کوششوں کو انھیں ناکام بنا دینا چاہیے۔ دین کے اندر کسی قسم کی کمی وبیشی اور مداہنت اختیار نہ کریں۔ بعض حضرات حالات کے دباؤ سے متاثر ہوجاتے ہیں۔ جذباتی تسکین کے لیے کچی پکی تدبیریں اور وقتی اور جلدی حاصل ہونے والی کامیابیاں ان کو متاثر کرتی ہیں۔ وہ سمجھ نہیں پاتے کہ مستقبل میں اس کے کیا نقصانات ہوں گے؟ اسی طرح مسلمان مایوس بھی نہ ہوں، حوصلہ رکھیں، حالات کے شر اور فساد اور بگاڑ میں اللہ تعالیٰ خیر کو نکالتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ہم صحیح فکر اور صحیح طرز عمل اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے نصرت اور تائید کی دعا مانگیں۔

موجودہ حالات میں وہ:

- مشتعل نہ ہوں
- مرعوب نہ ہوں
- متاثر نہ ہوں
- مایوس نہ ہوں

حالاتِ حاضرہ میں فریضۂ دعوت سے متعلق قرآن مجید کی یہ رہ نمائی بہت اہم ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ (یونس:۱۵)

''اور جب انھیں ہماری صاف صاف آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کا یقین نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس قرآن کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ، یا اس میں کچھ ردوبدل کردو۔ اے رسولؐ! ان سے کہہ دیجیے، میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ ردّوبدل کردوں۔ میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔''

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ (ہود:۱۱۳)

''ان ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا، ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور تمہیں ایسا کوئی حمایتی نہ مل سکے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی۔''

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ

(الشوریٰ:۱۵)

''پس آپؐ لوگوں کو اس حق کی طرف دعوت دیتے رہیں اور جو کچھ آپؐ کو حکم دیا جارہا ہے اس پر مضبوطی سے جم جائیں اور ان کی خواہشوں کو ہرگز نہ مانیں۔''

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾
فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ (القلم:۷۔۹)

''تمہارا رب ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہی ان کو بھی اچھی طرح جانتا ہے جو راہ راست پر ہیں، لہٰذا تم ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔''

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ان آیات کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''یعنی راہ پر آنے والے اور نہ آنے والے سب اللہ کے علم محیط میں طے شدہ ہیں، لہٰذا دعوت وتبلیغ کے معاملے میں کچھ رورعایت کی ضرورت نہیں۔ جس کو راہ پر آنا ہوگا آکر رہے گا اور جو محروم ازلی ہے وہ کسی لحاظ ومروت سے ماننے والا نہیں۔ کفار مکہ حضرت سے کہتے تھے: آپؐ بت پرستی کی نسبت اپنا سخت رویہ ترک کردیں اور ہمارے معبودوں کی تردید نہ کریں۔ ہم بھی آپؐ کے خدا کی تعظیم کریں گے اور آپؐ کے طور طریق اور مسلک ومشرب سے متعرض نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو ہدایت فرمائی کہ آپؐ ان مکذبین کا کہنا نہ مانیے۔ ان کی غرض محض آپؐ کو ڈھیلا کرنا ہے۔ ایمان لانا، صداقت کو قبول کرنا مقصود نہیں۔ آپؐ کی بعثت کی غرض اس صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔ آپ تو ہر طرف سے قطع نظر کرکے اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔

کسی کو منوا دینے اور راہ پر لے آنے کے آپ ذمہ دار نہیں۔'' (تفسیر عثمانی، صفحہ ۷۶۹)

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾ (القلم: ۴۴، ۴۵)

''پس اے نبیؐ! تم اس کلام کے جھٹلانے والوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو ہم ایسے طریقے سے ان کو بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی، میں ان کی رسی دراز کر رہا ہوں۔ میری تدبیر زبردست ہے۔''

دعوتِ دین اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ

رسول اکرمؐ کے لیے دعوت کے ابتدائی احکام

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غار حرا میں جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپؐ کی عمر مبارک چالیس (۴۰) سال تھی۔ یہ وحی سورۂ العلق کی ابتدائی پانچ آیات پر مشتمل تھی۔ یہ آیات درج ذیل ہیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ
الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾

(العلق:۱۔۵)

''اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، وہ ذات جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

نزول وحی کا یہ پہلا تجربہ رسول اکرمؐ کے لیے بہت سخت اور شدید تھا۔ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ شہنشاہ کائنات اور تمام مخلوقات کے خالق اور رب کی جانب سے اپنے ایک بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب ایک عظیم فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ وحی نازل کی گئی تھی۔ آپؐ غار حرا کی تنہائیوں میں کئی کئی دنوں تک ستّو اور پانی لے کر قیام کرتے اور غور و فکر فرماتے رہتے۔ آپؐ اپنی قوم اور عام انسانوں کی بت پرستی، کفر اور شرک اور ان کی عمومی گم راہی اور جہالت کو دیکھ کر کڑھتے تھے۔ آپؐ اپنی قوم اور عام انسانوں کی راہ نجات کی تلاش میں منہمک رہتے تھے۔

قوم کی سماجی اور اخلاقی خرابیوں کا علاج سوچتے رہتے تھے۔

نزول وحی کے بعد رسول اکرمؐ گھر تشریف لائے۔ آپؐ کافی گھبرائے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: ''مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ۔'' آپ کی گھبراہٹ دور ہوئی تو پھر سارا واقعہ ان کو سنایا۔ حضرت خدیجہؓ سمجھ گئیں کہ یہ واقعہ ایک حقیقت ہے، یہ کوئی دھوکہ یا باطل بالکل نہیں ہے۔ انہوں نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

> ''ہرگز نہیں! اللہ کی قسم، اللہ آپ کو کبھی رنج نہیں دے گا۔ آپ تو رشتہ داروں کے کام آتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بے کسوں کی مدد کرتے ہیں، ناداروں کی دست گیری کرتے ہیں۔ مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں اور تمام نیک کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔'' (سیرت سرور عالم، جلد دوم، صفحہ ۱۳۷)

اس واقعہ کے دوسرے دن حضرت خدیجہؓ رسول اکرمؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ اس کی تفصیل ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ''یہ واقعہ سن کر ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا: جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اگر یہ سچ ہے تو یہ ناموسِ موسیٰ کے مماثل ہے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا جب تمہاری قوم تمہارے ساتھ بدسلوکی کرے گی اور تمہیں اپنے شہر سے نکال دے گی تو میں تمہارا ساتھ دوں گا اور تمہاری مصیبتوں کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: کیا اس بات پر کہ میں اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاؤں، لوگ مجھ پر ظلم وستم کریں گے، اذیتیں دیں گے اور مجھے اس ملک سے نکال دیں گے؟ اس پر ورقہ بن نوفل نے کہا: ہاں کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کو اس کی امت نے تکلیف نہ دی ہو۔''
>
> (سیرت رسولؐ اور عملی تقاضے، صفحہ ۲۶۸)

ابتدائی وحی کی پانچ آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بظاہر دعوت اور تبلیغ کا کوئی حکم یا ذمہ داری رسول اکرم ﷺ پر نہیں ڈالی گئی ہے۔ لیکن آپؐ نے پیغمبرانہ حکمت اور بصیرت سے اچھی طرح جان لیا کہ یہ وحی سارے انسانوں کی اصلاح اور وقت کے ہمہ گیر بگاڑ وفساد کی اصلاح کا نقطۂ آغاز اور بنیاد ہے۔

یہ وحی الٰہی دراصل ایک نئے عظیم انقلاب کی ابتدا تھی۔ اس دور میں عرب اور پوری دنیا میں کفر وشرک ہی نہیں بلکہ توہم پرستی، آبا پرستی اور ظلم واستحصال کا غلبہ تھا۔ دنیا کم زوروں اور عام انسانوں کے لیے جہنم بنی ہوئی تھی ۔ عدل وانصاف کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ انسانیت کو خودساختہ اونچ نیچ، اشرف اور رذیل کے خانوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ انسانی جان کی قدر اور احترام باقی نہیں رہ گیا تھا۔ معمولی باتوں پر انسان کی جان لے لی جاتی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر طویل مدت تک جنگوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ دو سپر پاور مملکتیں (روم وایران) ایک دوسرے سے ہمیشہ برسر پیکار رہتی تھیں۔ اخلاقی بگاڑ اپنی انتہا پر تھا، شراب، جوا اور زنا عام تھے۔ عورتوں کی خرید وفروخت کے بازار لگتے تھے۔ عرب کے بعض قبائل میں دختر کشی کا رواج پایا جاتا تھا۔ غرض یہ کہ پوری دنیا میں فساد برپا تھا۔ مذاہب تو تھے، لیکن صرف ان کا نام باقی تھا اور ہر مذہب کی اصلی تعلیمات تحریفات کا شکار ہوگئی تھیں۔

پہلی وحی کے نزول کے بعد سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ آپؐ پر ایمان لائیں۔ آپؐ کے ساتھ ان کی ازدواجی زندگی کے پندرہ سال بیت چکے تھے۔ آپؐ کی شب وروز کی زندگی ان کے سامنے تھی۔ حضرت خدیجہؓ کو دعوت ایمان کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ تو پہلے ہی سے ایمان اور اسلام کے قریب تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے علاوہ ابتدا میں جن چند ہستیوں کو ایمان کی دولت ملی ان میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت علیؓ تھے۔ رسول اکرمؐ کی دو دختر بھی ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ داعی کی سیرت وکردار، اخلاق اور حسن سلوک کا دعوت کی قبولیت میں ہمیشہ فیصلہ کن رول ہوتا ہے۔

کوہ صفا پر دعوتِ عام کا اعلان

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ اپنی دعوت کو اپنے رشتے داروں تک پہنچایئے تو اس پر عمل کرتے ہوئے رسول اکرمؐ نے کم از کم دو مرتبہ اپنے خاندان والوں کو دعوتِ طعام پر بلایا۔ پہلی مرتبہ آپ کو اپنی دعوت پیش کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ دوسری مرتبہ آپؐ نے اپنی دعوت کو واضح انداز میں پیش فرمایا۔ اس کی کچھ تفصیل ایک حدیث حوالے سے معلوم ہوتی ہے۔

وہ حدیث یہ ہے:

''حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت وانذر عشیرتك الاقربین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو) نازل ہوئی تو نبیؐ نے قریش کو بلایا۔ وہ جمع ہو گئے تو آپؐ نے عام اور خاص (سبھی قبیلوں کو پکار کر) سب سے کہا: اے کعب بن لوی کی اولاد! دوزخ کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے کعب بن مرہ کی اولاد! دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے عبدالمطلب کی اولاد! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے فاطمہؓ! اپنی جان کو آتش دوزخ سے بچاؤ۔ کیوں کہ میں اللہ کے مقابلے میں تمہاری کچھ بھی مدد نہیں کر سکتا۔''

مولانا فاروق خاں اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''داعی کی ذمہ داری ہے کہ دعوت حق کو عام کرنے کی سعی و جہد میں اپنے قریبی اعزا واقربا کو ہرگز فراموش نہ کرے، بلکہ انھیں سب سے پہلے خدا کے پیغام سے آگاہ کرے۔ نبیؐ نے اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں کسی تساہل سے کام نہیں لیا۔ آپؐ نے ایک ایک خاندان اور قبیلے کا نام لے کر جس درد کے ساتھ انھیں آواز دی ہے اس سے آپ کے دل کی بے تابی عیاں ہے۔

اس حدیث سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ دعوت اسلام کا سب سے بڑا محرک دوزخ کی آگ سے نجات ہے۔ دوزخ سے چھٹکارا حاصل کرنا اتنی بڑی کامیابی ہے کہ اس کو آپؐ نے اپنی دعوت کا عنوان قرار دے کر اہل قریش کو خطاب کیا اور فرمایا کہ ہر ایک خاندان اور قبیلے کو اپنے کو دوزخ سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔''

(کلام نبوت، جلد پنجم، صفحہ ۹۷، ۹۸)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ اب آپؐ اس دعوت کو علی الاعلان لوگوں کے سامنے پیش کر دیں۔

اس حکم کی تعمیل میں رسول اکرمؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر مختلف قبیلوں کا نام لے کر انھیں پکارا:

''تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر میں تم کو یہ اطلاع دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر

کھڑا ہے جوتم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم اس بات پر یقین کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم نے آپؐ کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں پایا۔ تب آپؐ نے ارشاد فرمایا: تو میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو بالکل تمہارے سامنے ہے۔''
اس مجمع میں ابولہب بھی تھا۔ اس نے کہا: تمہارا سارا دن برباد ہو، کیا صرف یہی کہنے کے لیے تم نے ہمیں بلایا تھا۔ اس پر سورۂ لہب نازل ہوئی: ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔''

(بخاری و مسلم بحوالہ سیرت رسولؐ دروس ونصائح، صفحہ ۱۳۶-۱۳۷)

سورۂ المدثر کی ابتدائی سات آیات میں رسول اکرم ﷺ کو پیار بھرے انداز میں مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے عام دعوت وتبلیغ کا حکم دیا ہے۔ فریضۂ دعوت کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ان آیات پر غور کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَأَنذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ ۝٥ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ۝٦ وَلِرَبِّكَ فَٱصْبِرْ ۝٧

(المدثر: ۱-۷)

''اے لحاف میں لپٹنے والے! اٹھیے اور ڈرائیے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور ناپاکی چھوڑ دیجیے اور احسان نہ کیجیے، زیادہ حاصل کرنے کے لیے، اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجیے۔''

صاحبِ تفہیم القرآن ان آیات کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

''اس لطیف طرز خطاب سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اے میرے پیارے بندے! تم اوڑھ لپیٹ کر لیٹ کہاں گئے، تم پر تو ایک کارِ عظیم کا بار ڈالا گیا ہے جسے انجام دینے کے لیے تمہیں پورے عزم کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے۔ 'اٹھیے اور ڈرائیے'۔ یہ اسی نوعیت کا حکم ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت کے منصب پر فائز کرتے ہوئے دیا گیا تھا کہ اپنی قوم کے لوگوں کو ڈراؤ قبل اس کے کہ ان پر ایک دردناک عذاب آجائے۔ (نوح: ۱) آیت کا مطلب یہ

ہے کہ اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور تمہارے گردوپیش خدا کے جو بندے خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو چونکا دو۔ انھیں اس انجام سے ڈراؤ جس سے وہ یقیناً دوچار ہوں گے، اگر اسی حالت میں مبتلا رہے۔ انہیں خبردار کردو کہ وہ کسی اندھیر نگری میں نہیں رہتے ہیں جس میں وہ اپنی مرضی سے جو کچھ چاہے کرتے رہیں اور ان کے کسی عمل کی باز پرس نہ ہو۔

'اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے۔' یہ ایک نبی کا اولین کام ہے جسے اس دنیا میں وہ انجام دیتا ہے۔ اس کا پہلا کام ہی یہ ہے کہ جاہل انسان یہاں جن جن کی بڑائی مان رہے ہیں ان سب کی نفی کردے اور ہانکے پکارے دنیا بھر میں یہ اعلان کردے کہ اس کائنات میں بڑائی ایک خدا کے سوا اور کسی کی نہیں ہے۔

یہ پہلا موقع تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کا عظیم الشان فریضہ انجام دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ بات ظاہر تھی کہ جس شہر اور معاشرے میں یہ مشن لے کر اٹھنے کا آپ کو حکم دیا جارہا تھا وہ شرک کا گڑھ تھا۔ بات صرف اتنی ہی نہ تھی کہ وہاں کے لوگ عام عربوں کی طرح مشرک تھے، بلکہ اس سے بڑھ کر بات یہ تھی کہ مکہ معظّمہ مشرکین عرب کا سب سے بڑا تیرتھ بنا ہوا تھا اور قریش کے لوگ اس کے مجاور تھے۔ ایسی جگہ کسی شخص کا تن تنہا اٹھنا اور شرک کے مقابلے میں توحید کا علم بلند کردینا بڑے جان جوکھوں کا کام تھا، اسی لیے ''اٹھو اور خبردار کرو'' کے بعد فوراً ہی یہ فرمانا کہ ''اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو'' اپنے اندر یہ مفہوم بھی رکھتا ہے کہ جو بڑی بڑی ہول ناک طاقتیں اس کام میں تمہیں مزاحم نظر آتی ہیں ان کی ذرا پروا نہ کرو اور صاف صاف کہہ دو کہ میرا رب ان سب سے زیادہ بڑا ہے جو میری اس دعوت کا راستہ روکنے کے لیے کھڑے ہوسکتے ہیں۔ یہ بڑی سے بڑی ہمت افزائی ہے جو اللہ کا کام شروع کرنے والے کسی شخص کی کی جاسکتی ہے۔ اللہ کی کبریائی کا نقش جس آدمی کے دل پر گہرا جما ہوا ہو وہ اللہ کی خاطر اکیلا ساری دنیا سے لڑ جانے میں بھی ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے گا۔''

(تفہیم القرآن، جلد ششم، ص ۱۴۲، ۱۴۳)

کوہ صفا پر دعوتِ عام کا اعلان کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً ۹، ۱۰ سال مکہ میں دعوت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ تیرہ سال مکہ میں گزر گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت

کا حکم آ گیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں دس سال قیام کے دوران مسلسل دعوت کا کام کرتے رہے۔ قبائل سے معاہدات، جنگیں، فوجی مہمات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ صلح حدیبیہ کے بعد دو سال امن وسکون کا مختصر عرصہ میسر آیا، لیکن مدینہ کی دس سالہ تاریخ میں دعوت کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ تیئس سال کی دعوتی جدوجہد میں رسول اکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں جو مختلف طریقے اختیار کیے ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ البتہ چند اہم طریقوں کو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

- فرداً فرداً اور الگ الگ ہر ایک سے مل کر دعوت دینا۔
- گھر اور خاندان کے افراد کو کھانے پر مدعو کر کے آخر میں ان کو دعوت دین دینا۔
- کوہ صفا پر دعوت عام دینا۔
- حرم کعبہ میں دعوت دینا۔
- مزاج پرسی کر کے دعوت دینا۔
- بازاروں میں دعوت دینا۔
- میلوں میں پہنچ کر دعوت دینا۔
- مکانات پر جا کر دعوت دینا۔
- قبائل کے سرداروں سے ملاقات کر کے دعوت دینا۔
- حج کے موقع پر زائرین کے پاس پہنچ کر دعوت دینا۔
- طائف کا سفر کر کے وہاں کے سرداروں کو دعوت دینا۔
- ہجرت حبشہ کے موقع پر صحابہؓ کو ہدایاتِ دعوت۔
- بیت عقبہ اولیٰ وثانیہ کے موقع پر دعوت کے لیے منصوبہ۔
- داعی مقرر کرنا۔ مدینہ میں دعوت کا منصوبہ بنداندازمیں کام۔
- راستہ چلتے دعوت دینا۔
- کشتی میں پچھاڑ کر دعوت دینا۔
- چھوٹوں کو دعوت دینا۔
- دشمنوں کو دعوت دینا۔ فوجی مہمات سے قبل خود بھی اہتمام فرماتے کہ سب سے پہلے

اسلام کی دعوت کو پیش کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ کو اسی کی تاکید تھی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔

- حالت جنگ میں دعوت دینا۔
- بیمار کی عیادت کرتے ہوئے دعوت دینا۔
- محبت کرنے والوں کو دعوت دینا۔
- قیدیوں کو دعوت دینا۔
- بادشاہوں، سلاطین اور حاکموں کو خطوط کے ذریعہ دعوت دینا۔
- صحابہ کرامؓ کی دعوتی کوششوں پر ان کی ہمت افزائی کرنا۔
- اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو دعوت دینا۔
- مسجد نبوی میں دعوت دینا۔
- وفود میں پہنچ کر اور وفود کو بلا کر دعوت پہنچانا۔

غرض کہ آپؐ کی پوری زندگی دعوتِ دین پیش کرتے گزری اور جب، جہاں اور جتنا موقع ملا آپؐ اس کام کو انجام دیتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ گویا آپ کی پوری زندگی سراپا دعوت تھی۔

دعوت

فرد اور سماج کے سنگین مسائل کا واحد حل

مسلمانوں میں سیکولر سوچ رکھنے والے اور دین کی حقیقت سے بے خبر دانشوروں کے لیے حیرت وتعجب کی بات ہوگی کہ اسلام کی دعوت کا مسائلِ حیات سے کیا تعلق ہے؟ اسلام کی دعوت ایک فریضہ ہے، ٹھیک ہے، لیکن انسان کے مسائل سے دعوت کا کیا لینا دینا ہے؟

آج مذہب کا جو مروّجہ تصور پایا جاتا ہے اور جس میں عقیدہ، رسم ورواج، تہوار اور اخلاقی وعظ ونصیحت ہی کو اصل مذہب سمجھ لیا گیا ہے، یقیناً ایسا مذہب مسائل زندگی سے گریز کرتا ہے۔ وہ مسائل حیات کا سامنا نہیں کرسکتا، حل کرنے کی بات تو بہت دور کی ہے۔ ایسے مذہب (اسلام کے سوا دیگر مذاہب) کی پوزیشن یہی ہے کہ ان کا دائرہ اخلاق اور روحانیت تک محدود ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی اکثریت رہبانیت کو آئیڈیل طرزِ زندگی تسلیم کرتی ہے۔ اسلام مروجہ مفہوم میں مذہب ہے ہی نہیں، بلکہ وہ ایک مکمل خدائی نظام حیات ہے اور عملی زندگی کے لیے شریعت (Code of Conduct) ہے۔ یہ ایک اہم حقیقت ہے کہ دعوت اسلامی کا مسائلِ حیات سے گہرا تعلق ہے۔ ان تمام مسائل سے دعوت بحث کرتی ہے اور ان کا جامع اور مکمل حل پیش کرتی ہے۔ دنیا کا کوئی نظریہ، فلسفہ اور ناقص نظام حیات آج تک انسانی مسائل کے حل کے لیے کام یاب رہ نمائی نہیں دے سکا اور نہ آئندہ اس کی امید کی جاسکتی ہے۔ دراصل یہ خود ساختہ انسانی نظریات، فلسفے اور ناقص وناکمل نظام ہائے حیات مسائل پیدا کرتے ہیں اور اس کے بعد حل کی طرف

متوجہ ہوتے ہیں۔مسائل کوحل کرنے کی صلاحیت ان کے اندرنہیں پائی جاتی۔انسانی تاریخ اس پر گواہ ہے۔یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ دعوت صرف اپنے ماننے والوں کے مسائل حل کرتی ہے، دیگر انسانوں کے مسائل سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہے۔نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ ہر زمانے میں دعوت نے عام انسانوں کے مسائل حل کیے ہیں۔آج ہمارے ملک کو دیکھیے،صرف ایک مثال پیش ہے۔کنیا بھرون ہتیا(مادر رحم میں جنین کشی) یہ اس ملک کا ایک سماجی مسئلہ ہے،مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے۔لیکن اس کا نہایت کام یاب حل دعوت پیش کرتی ہے۔ایک دوسری غلط فہمی یہ ہوسکتی ہے کہ کیا یہ دعوت صرف انسانی مسائل کوحل کرنے والی دعوت ہے؟نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہے۔دراصل یہ دعوت کی امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ انسان کی اس عارضی و دنیوی زندگی کوفلاح سے ہم کنار کرتی ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں جہنم سے نجات اور جنت کی زندگی عطا کرتی ہے۔دعوت اسلامی میں ملکی اور بین الاقوامی تمام مسائل کوحل کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

مسائل پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟

انسان نے اپنی تاریخ میں جب بھی وحی الٰہی سے منہ موڑ کر اپنی عقل اور اپنے تجربات کو زندگی کا رہ نما بنا کر سفرِ حیات طے کرنے کی کوشش کی ،توسنگین مسائل پیدا ہو گئے۔ یوں تو زندگی اور مسائل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔مسائل فرد کے ہوں یا سماج اور ملک کے،ان کا بالکل خاتمہ ہوجائے، یہ ممکن نہیں ہے۔کچھ مسائل ضرور باقی رہیں گے۔لیکن ایسے مسائل جو زندگی اور موت، یا بقا اور ہلاکتِ انسانی کے موجب ہوں باطل نظریات، افکار اور فلسفوں کی دین ہے۔دعوت مسائل پیدا نہیں کرتی ،وہ مسائل کوحل کرتی ہے۔مسائل پیدا ہونے کے دوسرے اسباب بھی ہیں، مثلاً انسان کا اپنے آپ کو خود مختار و آزاد سمجھنا۔سائنس پر انحصار کرنا،خدا کی ہدایت اور رہ نمائی سے یکسر انحراف کا رویہ اختیار کرنا۔ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں اعمال کی باز پرس اور ابدی زندگی میں جنت یا جہنم کے تصورات کو عقلی اور منطقی استدلال کی بنیاد پر تسلیم کرنے کے بجائے ان پر شک کرنا یا اس کا صریحاً انکار کرنا۔

دعوت اسلامی کے علاوہ جتنی باطل دعوتیں دنیا میں برپا کی گئیں ان سب نے انسانیت کو صرف تقسیم در تقسیم کیا ہے۔ ہمارے ہی ملک کی مثال لیجیے۔ یہاں پانچ ہزار سال سے ذات پات کا نظام قائم ہے۔ یعنی کاسٹ پھر کاسٹ کے اندر 'سب کاسٹ'۔ چار درجوں میں تقسیم نے انسانیت کا جنازہ نکال دیا۔ جرمنی میں ہٹلر کی جرمن قوم کی نسلی برتری اور اٹلی میں مسولینی کی فاشزم نسلی وقومی برتری کے خودساختہ غیرانسانی اور غیرفطری نظریات نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نیشنلزم، راشٹر واد اور دیش بھگتی کے نتیجے میں انسان ایک دوسرے کے حریف اور کٹر دشمن بن گئے ہیں اور ایک دوسرے کے مدمقابل ہوگئے ہیں۔ طبقاتی کش مکش (Class Struggle) اور (Class War) برپا کی گئیں۔ دنیا کا امن وسکون تہ وبالا ہوگیا۔

دعوت کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں خالق کائنات کی رہ نمائی اور اس کے پیغمبر کی تعلیمات کو بنیاد بناتی ہے۔ یہ پوزیشن دنیا میں قدیم یا جدید کسی فکر وفلسفہ اور انسانی نظریہ کو حاصل نہیں ہے۔ کوئی انسانی نظریہ مکمل نظام کا حامل نہیں اور نہ کبھی وہ زمین پر کہیں نافذ ہوسکا ہے۔

غلط فہمیوں کا ازالہ

مسائل کے حل کے سلسلے میں ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ دعوت کا کام شروع کرتے ہی مسائل حل ہوجائیں گے۔ اور انسانیت محض دعوت کی مخاطب بن جائے تو اسی وقت سنگین مسائل سے وہ چھٹکارا پالے گی۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''ان مسائل کا پائدار اور صحیح حل بھی فی الواقع اسی دعوت کی کامیابی پر موقوف ہے۔ اس کے ماسوا چاہے جتنی بھی تدبیریں اور کوششیں اختیار کی جائیں ان مسئلوں کی شدت کو صرف کم کیا جاسکتا ہے اور ان کا عارضی اور جزوی حل ہی نکالا جاسکتا ہے۔ پورے اور کامیاب حل کا نکلنا کسی طرح ممکن نہیں۔'' (تحریک اسلامی ہند، ص ۱۸۹)

گویا سنگین مسائل کے حل کے لیے ضروری ہے کہ دعوت یا تو قبولیت عام کے مرحلے

میں داخل ہوجائے، یا اسے اقتدار حاصل ہوجائے اوراس کے بے پناہ وسائل سے استفادہ کا موقع ملے۔

اس سلسلے میں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ دعوت اور مسائلِ زندگی کی اس مختصر بحث سے یہ تاثر پیدا ہوسکتا ہے کہ دعوت کیا صرف انسان کے مسائل حل کرنے کے لیے اٹھی ہے؟ دراصل دعوت کا بنیادی کام انسان تک خدا کی ہدایت اور رہ نمائی اوراس کے پیغمبر کی تعلیمات کو پہنچانا ہے۔

انسان کا اصلی مسئلہ یہ ہے کہ آخرت کی زندگی میں وہ کام یاب ہوکر اللہ کی رضا اور خوش نودی پالے اوراس کی ناراضی اور جہنم کے عذاب سے بچ جائے۔ دعوت کے لیے انسان کا اصل اور بنیادی مسئلہ بس یہی ہے۔ بقیہ تمام مسائل کی حیثیت ثانوی اور ضمنی نوعیت کی ہے۔ اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ بعض سنگین مسائل جن پر انسان کے تحفظ وبقا کا دارومدار ہے، ان کے سلسلے میں دعوت آنکھیں نہیں پھیر سکتی، ان کو Address کرتی ہے۔ جس حد تک کوئی مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے، حل کرتی ہے، اس سلسلے میں رہ نمائی کرتی ہے، ارباب اقتدار اور دیگر دانش وروں کو متوجہ کرتی ہے۔

ایک غلط تصور یہ ہے کہ دعوت کے نتیجے میں آخرت بنتی ہوتو بن جائے گی اور جنت بھی حاصل ہوجائے گی، مگر دنیا نہیں بن سکتی۔ مادی ترقی، تہذیب وتمدن اور معاشی خوش حالی کے لیے دعوت کام نہیں آئے گی۔

مسلمان کا مقام تو یہ تھا کہ مسائل کے حل کے لیے وہ دعوت کی رہ نمائی اور قدروں کو دنیا کے سامنے پیش کرتے اوران سے استفادہ کی دعوت دیتے۔ اس کے بجائے صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنے ہی مسائل میں گم سُم اور حیران وپریشان ہیں۔ عام انسانوں کے مسائل سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں۔ ان کے مسائل کے حل کے لیے دعوت کی ضرورت، قدر وقیمت اوراس کے اہم رول کا انہیں احساس بالکل نہیں ہے۔

مسلمانوں کو اس دعوت کا علم بردار بن کر فریضۂ دعوت ادا کرنا چاہیے تھا۔ ان کا حال یہ ہے کہ مسائل حیات کے لیے وہ محض تعلیمی، معاشی اور سماجی اقدامات میں لگے ہوئے ہیں۔ ان

کاموں کی افادیت اور ضرورت سے انکار نہیں ہے۔لیکن مسلمانوں کو یہ بات ضرور سمجھ لینی چاہیے کہ مسائل کا حل ان کی اختیار کردہ تدابیر میں نہیں، بلکہ دعوت میں ہے۔

اب ہم اس بات پر غور کریں گے کہ دعوت کس طرح مسائل کا حل پیش کرتی ہے؟ عقل وبصیرت اور حکمت کی روشنی میں کیا اس کا پیش کردہ حل قابل قبول ہونا چاہیے؟ یا محض یہ ایک نظری بات ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے جن نظریات اور افکار کو مسائل کے حل کے لیے پیش کیا گیا وہ سب ناکام ہو چکے ہیں۔اسلام کے سوا دیگر مذاہب کے پاس کوئی حل نہیں ہے۔لہٰذا وہ بھی ناکام ہیں۔مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔انسانیت تیسری عالم گیر جنگ کے دہانے پر کھڑی ہے۔زمین پر انسانوں کے وجود اور بقا کے لیے خطرہ لاحق ہے۔کسی کے پاس کوئی حل نہیں ہے۔مختلف سماجی، معاشی، سیاسی، تعلیمی اور دیگر مسائل میں دعوت نے حل پیش کیا ہے۔اس کو مثالوں کے ذریعہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

۱-انسانی مساوات اور سماجی انصاف کا فقدان

اس جدید دور میں جہاں انسان روشن خیال، علم وتہذیب اور آزادی کی چوٹی پر بیٹھا ہوا ہے، وہیں سماجی نابرابری، اونچ نیچ، چھوت چھات، کالے اور گورے، آقا اور غلام کے خودساختہ پیمانوں میں بٹا ہوا ہے۔ہر جگہ اس کی وجہ سے ظلم وستم، استحصال، تشدد، اور انسانی حقوق کی پامالی کا بری طرح شکار ہے۔حیرت کا مقام یہ ہے کہ انسانوں کی یہ غیر فطری اور غیر انسانی تقسیم ایسی بنیادوں پر ہے جن پر کسی انسان کا بس نہیں چلتا۔انسان کی پیدائش، رنگ ونسل، زبان وعلاقہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

حضورؐ کے دور میں سلطنت روم اور سلطنت ایران دو سپر پاور تھیں۔دنیا میں کئی مذاہب بھی تھے۔مثلاً عیسائیت، یہودیت، بودھ مت، جین مت اور ہندو مذہب وغیرہ، لیکن کسی کے پاس اس سنگین مسئلہ کا کوئی حل نہیں تھا اور نہ آج تک ہے۔

قرآن وسنت نے نہ صرف اس مسئلہ کو نظریاتی اور فکری اساس پر حل کیا، بلکہ عملاً ایک

غیر طبقاتی عالمی انسانی برادری (Universal Brotherhood) قائم کر کے ایک نمونہ پیش کیا۔

اس سنگین مسئلہ کے حل کے بارے میں قرآن مجید کی آیات ملاحظہ کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ (النساء:۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ (النساء:۱۳۵)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ معاملے کا فریق امیر ہو یا غریب دونوں صورتوں میں تمہاری نسبت اللہ زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ پس تم نفسانی خواہش کے پیچھے پڑ کر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (المائدہ:۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ

لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

(الحجرات: ۱۳)

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ بلاشبہ اللہ بہت علم والا خوب باخبر ہے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنا پر۔''

''کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

اس تعلق سے عہد نبویؐ کے بعض واقعات بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔

۱- حضورؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زید بن حارثہؓ سے جو آپؐ کے آزاد کردہ غلام تھے، کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض وہ صحابہؓ جو پہلے غلام تھے، نکاح کے خواہش مند ہوئے تو دوسرے صحابہؓ انھیں اپنی بیٹیاں دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

۲- ایک بار ایک شخص نے آپؐ کی شان میں کچھ کلمات کہے۔ لیکن آپؐ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ اس شخص نے کہا تھا: ''اے ہمارے آقا اور اے ہمارے آقا کے فرزند! اے ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے فرزند! آپؐ نے فرمایا: لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تم کو گمراہ نہ دے۔ میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں۔ اللہ کا بندہ اس کا رسول ہوں، اللہ نے مجھ کو درجہ بخشا ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھ کو اس سے بڑھاؤ۔ (مسند احمد، ج ۳، ص ۱۵۳)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لونڈی غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے تو

جس کے بھائی بہن کو اللہ تعالیٰ اس کے ماتحت کردے اس کو چاہیے کہ جیسا وہ خود کھائے، ویسا ہی ان کو کھلائے اور جیسا خود پہنے، ویسا ہی ان کو پہنائے۔ ان کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ اگر کبھی ایسا کام پیش آجائے تو اس کام میں ان کا ہاتھ بٹائے۔'' (بخاری)

غرض یہ کہ آپؐ نے ایک عالم گیر انسانی برادری، انسان کی تکریم، احترام ومساوات اور سماجی انصاف پر مبنی قائم کردی۔ اس عالم گیر انسانی برادری میں حضرت بلالؓ حبشہ سے تھے، حضرت سلمانؓ فارس سے، حضرت خباب بن ارتؓ غلام تھے، حضرت صہیبؓ روم سے تھے اور قریش کے اونچے خاندانوں کے اہل ایمان شامل تھے اور باہم شیر وشکر تھے۔ یہ مساوات ہر پہلو سے تھی۔ یہاں قانونی مساوات کے سلسلے میں صرف ایک واقعہ بیان کردینا کافی ہوگا۔ ایک بڑے قبیلہ کی معزز خاتون نے چوری کی۔ اس کا جرم ثابت ہوگیا۔ اب اس کا ہاتھ کاٹا جانا تھا۔ قبیلہ کے لوگ بہت پریشان ہوئے کہ اس سے قبیلہ بدنام ہوجائے گا۔ انہوں نے حضرت اسامہؓ سے سفارش کرائی کہ خاتون کو ہاتھ کاٹنے کے بجائے ہلکی سزا دی جائے۔ یہ سن کر حضورؐ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا۔ آپؐ نے فرمایا: تم اللہ کے حدود کے سلسلے میں سفارش کرتے ہو۔ تم سے پہلے کی قوموں میں بااثر اور طاقت ور لوگ جرم کرتے تو انھیں ہلکی سزا دی جاتی اور کم زور لوگوں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ قومیں ہلاک کردی گئیں۔ اللہ کی قسم، محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

۲- فرقہ وارانہ منافرت اور کشیدگی کے ماحول میں قومی یکجہتی کا حصول

ہمارا ملک بہت سے مذاہب، ثقافتوں، زبانوں اور فرقوں کا حامل ہے۔ ایسے ملک میں مذہب کے نام پر کچھ لوگ مسلسل فرقہ پرستی، نفرت، ظلم وجبر کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ اس کی سنگینی کا عالم یہ ہے کہ بعض موقعوں پر فرقہ وارانہ فساد کے بجائے نسل کشی کا گمان ہوتا ہے۔ چنانچہ

آزادی کے بعد اس ملک میں ہزاروں فسادات ہوئے ہیں ۔مذہبی عدم رواداری ،تہذیبی جارحیت، عدم برداشت، جان ومال اورعزت وآبروکی پامالی ہوئی ہے۔مدنی زندگی میں حضور ﷺ کا اسوہ ایک مخلوط سوسائٹی میں مل جل کر، امن وامان اورسکون وراحت سے رہنے کا ہے ۔اصولی رہ نمائی اوراسلامی تعلیمات کے ساتھ یہ ایک عملی ماڈل ہے۔آیئے ان اصولوں اوراسلامی تعلیمات کے روشنی میں اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

- پہلی بات یہ کہ مذہب اس مسئلہ کا ذمہ دار اورسبب نہیں ہے ۔بظاہر کچھ لوگ مذہب کا نام لے کر ایسی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ خود بھی کسی مذہب کے پیرونہیں ہوسکتے۔
- مذہب میں زورزبردستی ،تحریص اورلالچ نہیں ہے۔ ہرفرد کوآزادی اورحق ہے کہ اپنی مرضی اور پسند سے کسی مذہب کورد یا اختیار کرے۔
- مذاہب، مذہبی عبادت گاہوں، مذہبی شخصیتوں اوررہ نماؤں کا احترام ضروری ہے ۔ مذہبی رواداری کی پابندی سب کے لیے ضروری ہے۔
- کسی کے ساتھ عدل وانصاف کے خلاف رویہ (اپنوں اوردوسروں کے ساتھ)ظلم وتشدداورانسانی حقوق کی پامالی درست نہیں ہے۔
- 'جواپنے لیے پسند کرتے ہووہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرو' کے اصول پرسب کوعمل کرنا چاہیے۔
- پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کا اسلام نے حکم دیا ہے۔
- نفرت،تعصب ،فتنہ وفساد اورظلم وتشددروانہیں ہے۔بے قصور لوگوں پرظلم کرنے والوں کوکبھی چھوٹ نہیں دی جاسکتی بلکہ ان کے خلاف قانونی کارروائی ہونی چاہیے۔
- کلمۂ سواء یعنی مشترک باتوں کا باہم تذکرہ ہونا چاہیے۔مثلاً ہم سب ایک خدا کے بندے ہیں۔کوئی الگ الگ خدانہیں ہے،جن کے الگ الگ بندے ہوں۔
- تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔اس

اعتبار سے سب انسانوں کا ایک رشتہ یعنی انسانی رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔

- سب ایک ملک (بھارت) کے باشندے ہیں۔ اگر ملک کام یاب ہوتا ہے تو سب کام یاب ہوں گے اور اگر ملک ناکام ہوتا ہے تو سب ناکام ہوں گے۔ ملک کے مستقبل کی کام یابی اور اہل ملک کی فلاح و بہبود کی فکر کرنا سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔
- ہم سب اہل مذاہب ہیں۔ کسی نہ کسی مذہب کے پیروکار ہیں۔ ہمارے درمیان ایک چھوٹا سا گروہ خدا اور مذہب کا انکار کرنے والوں کا بھی ہے لیکن ان سے ہماری دشمنی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ وہ بھی ہمارے اہل وطن اور بھائی ہیں۔
- مذاہب کے احترام اور رواداری کا تقاضا صرف یہ نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کو محض برداشت کریں، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ ان اختلافات اور فرق کے باوجود انسانی رشتہ کے ناطے بھائی بھائی بن کر رہیں۔ انسانیت، حق، اخلاق اور حسن سلوک کا طرز عمل برقرار رکھیں۔ ہر فرد کا احترام کریں اور انسانی عظمت کو ملحوظ رکھیں، کسی کو ذلیل، حقیر، پست درجہ کا انسان نہ سمجھیں۔

ان باتوں پر تھوڑا سا غور و فکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ کس خیر و خوبی کے ساتھ دعوت اسلامی ایک اہم مسئلہ یعنی ملکی سلامتی، قومی یکجہتی، اتفاق اور اتحاد کے حل کے لیے رہ نما اصول پیش کرتی ہے۔ ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے برادران وطن سے ملاقاتوں کے مواقع پر ان کا وسیع پیمانے پر تعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ یقیناً برادران وطن ان زرّیں اصولوں کو پسند کریں گے۔

۳- دعوت معاشی مسائل کا حل بھی پیش کرتی ہے

اسلام کی نظر میں دنیا کی یہ زندگی عارضی اور وقتی ہے۔ یہ منزل نہیں بلکہ پڑاؤ ہے۔ اس لیے اسلام کی نظر میں اصل کام یابی آخرت میں اللہ کی خوش نودی کا حصول، دخول جنت اور جہنم

کے عذاب سے محفوظ رہنا ہے۔ یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام دنیا سے منہ موڑنے اور اس کی فکر کرنے سے روکتا ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لیکن غلط فہمی نہ ہو، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسلام دنیا کی ان چیزوں کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا جو انسان کی مادی زندگی کے لیے مطلوب ہوتی اور ہوسکتی ہیں۔ اس نے اس زمین پر انسان کی جو حیثیت قرار دی ہے۔ اس کی پیدائش کا جو مقصد بتایا ہے، امکانی بلندی اور تقرب الٰہی کا جو تصور پیش کیا ہے اور اس کے لیے جو شاہ راہ مقرر کی ہے ان ساری چیزوں کو دیکھتے ہوئے ایسا خیال کرنا کہ اسلام انسان کی مادی ضرورتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، اسلام سے کھلی ہوئی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ مومن اور مسلم محض روح کا نام نہیں ہے، بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔''

اس سلسلے میں مولانا ایک حدیث کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:

''فرض عبادتوں کے بعد حلال روزی کمانا بھی فرض ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے سامانِ تربیت کو جگہ جگہ مال اللہ (اللہ کا مال)، طیبات (پاکیزہ چیزیں) نعمت اللہ (اللہ کی نعمتیں) اور فضل اللہ (اللہ کا فضل) کہا ہے۔'' (اسلام ایک نظر میں، ص ۱۶۲)

اسلام کی معاشی تعلیمات کے سلسلے میں مولانا نے لکھا ہے:

''غرض زندگی کی مادی (معاشی) ضرورتوں کو بھی اسلام واقعی اہمیت دیتا ہے اور چاہتا ہے، چاہتا ہی نہیں اس کا پورا پورا اہتمام کرتا ہے کہ کوئی شخص ان سے محروم نہ رہ جائے۔ یہ اہتمام ہمہ گیر قسم کا ہے اور چار طرفی مؤثر تدبیروں پر مشتمل ہے:

۱- ہر شخص کو اپنی روزی خود کمانے کی ترغیب و ہدایت۔

۲- کمانے اور خرچ کرنے کی ضروری آزادی اور ان پر ضروری پابندیاں۔

۳- حاجت مند افراد کی ضرورتیں پوری کرنے کے بارے میں دولت مندوں کو اخلاقی ہدایتیں۔

۴- حاجت مندوں کے بارے میں دولت مندوں کی قانونی ذمہ داریاں۔''

(اسلام ایک نظر میں، ص ۱۶۳)

مشہور ماہر اسلامی معاشیات ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی کی ایک تحریر بھی اس سلسلے میں چشم کشا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''عام طور پر مذہب کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ خوش حالی کی طلب اور معاشی جدوجہد کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا، بلکہ ایک ناگزیر برائی سمجھ کر محض گوارا کر لیتا ہے۔ اسلام کے بارے میں ایسا خیال کرنا بالکل غلط ہوگا۔ کائنات کے جملہ امور و مسائل اللہ تعالیٰ نے انسان کے استفادے کے لیے پیدا کیے ہیں اور انسانوں کو ترغیب دی ہے کہ کھلے دل سے قدرت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ضروریات پوری کریں اور ایک آسودہ مگر بامقصد زندگی گزارنے کا اہتمام کریں۔'' (اسلام کا معاشی نظام، ص ۴)

اللہ تعالیٰ انسانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ (الاعراف:۱۰)

''ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لیے یہاں سامان زیست فراہم کیا۔''

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ (البقرۃ:۲۹)

''وہی اللہ ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے سب تمہارے لیے بنایا ہے۔''

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ (سبا:۱۵)

''اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ۔''

اس کے برعکس بھوک، افلاس، تنگ دستی اور فقر و فاقہ انسانی فلاح کے دشمن ہیں، جن سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعائیں مانگا کرتے تھے:

''اے اللہ! میں بھوک سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' (نسائی)

''اے اللہ! میں فقر، افلاس اور ذلت سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' (بخاری)

ان سے ایک اہم حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ لوگوں کے درمیان معاشی فرق اور کمی بیشی فطری اور قدرتی ہے۔ کچھ انسانوں کو رزق کم ملا ہے کچھ کو زیادہ۔ لیکن انسانوں کی صلاحیتوں، قابلیتوں اور ان کے سرگرمیوں میں بھی فرق اور درجے ہیں۔ معاشی اعتبار سے کمزوروں پر ظلم ڈھانا، استحصال کرنا اور ان کی اجرت میں کمی کرنا گناہ عظیم ہے۔

قرآن نے بتایا ہے کہ جو لوگ محروم ہیں ان کا حق مال داروں کے زائد مال میں اللہ نے رکھا ہے۔ ان کا یہ حق ادا کرنا فرض ہے۔ یہ ان پر احسان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ ﴿١٩﴾ (الذاریات:۱۹)

''اور ان کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کے لیے۔''

كَلَّا بَل لَّا تُكۡرِمُونَ ٱلۡيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَٰٓضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ ٱلۡمِسۡكِينِ ﴿١٨﴾

(الفجر:۱۷۔۱۸)

''ہرگز نہیں، تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے۔''

مال کو اوپر سے نیچے تک گردش کرنا چاہیے۔ آج کے دور میں سودی بینکوں اور انشورنس سسٹم میں بڑی خرابیاں ہیں، بینک غریب عوام سے مال لے کر مال داروں اور صنعت کاروں کو قرض دیتے ہیں۔ یہاں تک کروڑوں اور اربوں روپیوں کے گھوٹالے ہوجاتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ غربت، بھوک، فاقہ سے اموات، مرض، جہالت، کسانوں کی خودکشی، سودی قرضوں کی ادائیگی میں ناکامی کے بعد دیوالیہ ہونے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ آج غلط معاشی پالیسیوں اور سودی لین دین وغیرہ کا نتیجہ یہ ہے کہ امیر پہلے سے زیادہ امیر اور غریب پہلے سے زیادہ غریب ہورہے ہیں۔ غربت، بھوک، افلاس اور فقر و فاقہ دور کرنے کے لیے حکومتیں منصوبے بنا کر اربوں روپے کا بجٹ بناتی ہیں لیکن کامیاب نہیں ہیں۔ اسلام میں زکوٰۃ کا اجتماعی نظم، سود کا مکمل خاتمہ، صدقات واجبہ و نافلہ، انفاق فی سبیل اللہ، اعانتیں، کفارے، وقف اور مال کی حرص وہوس سے پاک معاشی نظام ہے۔ جس کی وجہ سے سماج میں یہ سب خرابیاں پیدا نہیں ہوتی ہیں۔

جس عرب میں اسلام سے پہلے لوگ بھوک مٹانے کے لیے مردہ جانوروں کا گوشت

تک کھایا کرتے تھے۔ جہاں غربت اور فاقہ کشی عام تھی وہاں اس دعوت کے مقبول عام ہونے کے نتیجے میں زکوٰۃ اور صدقات کے نظام کو قائم کر کے اور سود اور جوا حرام قرار دیے جانے کے بعد چند برسوں کے اندر معاشی انقلاب آ گیا۔ معاشی خوش حالی کا حال یہ تھا کہ زکوٰۃ نکال کر اعلان کر دیا جاتا کہ مستحق آ کر خاموشی سے لے جائیں۔ معاشرہ اتنا خوش حال ہو گیا تھا کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا باقی نہیں بچا۔

۴- سماجی خرابیوں اور اخلاقی بگاڑ کا حل صرف دعوت میں ہے

موجودہ دور میں سماج کے بعض مسائل نہایت سنگین ہو گئے ہیں اور وہ سماج پر مہلک اثرات ڈال رہے ہیں، ان کا حل ہونا صحت مند اور صالح معاشرے کے لیے ضروری ہے۔ لیکن دیکھا جا رہا ہے کہ تعلیمی ترقی، معاشی خوشحالی اور کامیابی کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود یہ مسائل نہ صرف باقی ہیں، بلکہ پے چیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ وحی الٰہی سے محروم رہ کر یا اس سے بے نیازی برت کر اپنی عقل، تجربے، تاریخ اور افکار کی مدد سے مسائل حل کرنے کی ہر کوشش ناکام ہوتی جا رہی ہیں۔ نئے نئے مسائل جنم لے رہے ہیں، ان کا کوئی حل انسان کے پاس نہیں ہے۔ دعوت ان تمام مسائل کو حل کرتی ہے۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ کفر و شرک، الحاد اور انسان کے خود ساختہ افکار نظریات نے کسی مسئلہ کو حل کر کے کبھی کوئی نمونہ یا ماڈل پیش نہیں کیا ہے۔

آج کا دور تاریخ کا سب سے روشن، علم و تحقیق کے عروج اور سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کا دور سمجھا جاتا ہے لیکن انسان کی زندگی، اس کا خاندان اور اس کا سماج سنگین خطرات (Crises) سے دوچار ہے۔ امن و سکون اور اطمینانِ قلب سے وہ محروم ہے۔ مایوسی، تناؤ، ڈپریشن، نفسیاتی اور مہلک بیماریوں نے زندگی کو جہنم بنا دیا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے۔

انسانی نظریات اور دیگر مذاہب اخروی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کا کوئی واضح تصور پیش نہیں کرتے۔ ان کے سامنے صرف دنیا اور اس کی کامیابی اور ناکامی ہے۔ عبرت کا مقام یہ ہے کہ دنیا کی کامیابی بھی انسان کو دے نہیں سکتے، بلکہ آخرت کے عذاب جہنم سے پہلے دنیا کی

زندگی ہی کو عذاب سے دوچار کر دیا ہے۔

۵- ماحولیاتی آلودگی

جدید دور کے اہم ترین مسائل میں ماحولیات کو سرفہرست رکھا جاسکتا ہے کیوں کہ ماہرین کے نزدیک زمین پر انسان باقی رہے گا، یا فنا کے گھاٹ اتر جائے گا، اس کا فیصلہ ماحولیات کے تحفظ یا خاتمہ سے جڑا ہے۔ اس مسئلہ کی سنگینی پر روشنی ڈالنے کے بجائے اس کا حل پیش کرنا زیادہ مناسب ہے۔

۱- زندگی گزارنے کے تمام وسائل اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ یہ امانت ہیں، انسان مالک نہیں ہے اسے ہر نعمت کے لیے اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہی کرنی ہوگی۔

۲- تمام وسائل اور نعمتوں کو امین بن کر عدل، توازن، اعتدال اور فضول خرچیوں سے بچ کر دوسروں کا حق ادا کرتے ہوئے استعمال کرنا چاہیے۔

۳- انسانی صحت، ہوا اور پانی وغیرہ کو خراب کرنے والی تمام حرکات سے باز رہنا چاہیے۔ مثلاً زہریلی گیسوں کا اخراج، خطرناک اسلحہ کی تیاری اور جنگلات کا بے تحاشہ صفایا کرنا۔

۴- آپؐ نے شجرکاری کی تعلیم دی ہے اور جاری نہر پر بیٹھ کر وضو کرتے ہوئے زائد پانی کے استعمال سے منع فرمایا۔ ضرورت سے بڑھ کر ذخیرہ اندوزی اور وسائل کو بے دردی سے استعمال کرنے سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

۵- ترقی کا متوازن مبنی پر اعتدال تصور دعوت پیش کرتی ہے کہ انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی، اس کی مادی ترقی سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔

دونوں ترقیوں میں توازن ضروری ہے ورنہ دنیا میں زبردست فساد برپا ہوگا اور انسان کا خاتمہ ہی ہوجائے گا۔

۶- اللہ تعالیٰ نے صاف ہوا، پاک پانی اور ماحول کو گندگی سے بچا کر صاف ستھرا رکھنے کے لیے جامع تعلیمات سے انسان کو نوازا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ان تعلیمات پر عمل کرے اور ماحولیات کو بگاڑنے اور خراب ہونے سے بچائے۔

۶-شراب

آج کی حکومتیں شراب کی لعنت سے اپنے عوام کو بچانے میں پوری طرح ناکام ہیں۔ عرب میں عام طور پر شراب پی جاتی تھی۔اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔شراب پینے کے بعد انسان عقل اور حواس کھو دیتا ہے اور بڑے سے بڑا گھناؤنا جرم کر بیٹھتا ہے۔بعد میں پچھتاتا ہے۔ عبرت کا مقام ہے کہ عقل کے مدعی اس دور جدید کے انسان کو شراب کے فرد، خاندان اور سماج کی تباہی والے اس شیطانی عمل سے قباحت محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ حکومتوں کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ شراب سے حاصل ہونے والی ریونیو ہے۔خواہ اس کے نتیجے میں خاندان تباہ و برباد ہوجائیں اور نئی نسل ہر لحاظ سے مفلوج ہوکر رہ جائے۔

اس سماجی برائی کو حکومتیں اپنے بڑے بجٹ، منصوبے، پولیس اور عدالت وجیل کا نظام سب ہونے کے باوجود روک نہیں پاتی ہیں وہاں دعوت ان سب کے بغیر بھی کامیاب ہے۔اس کا عملی ثبوت مسلمانوں کی زندگی میں موجود ہے۔شراب پینے والوں کی تعداد ملک اور باقی دنیا میں دوسرے اہل مذاہب اور قوموں وطبقات کے مقابل میں بہت کم ہے۔ایک افسوس ناک پہلو اس مسئلہ کا یہ سامنے آیا ہے کہ کرونا وائرس کے لاک ڈاؤن کو جب مرحلہ وار ہٹایا گیا تو مئی 2020 میں سب سے پہلے شراب کی دکانوں کو کھولا گیا، تاکہ غریب اور مفلس، بے چاری حکومتوں کو یہ حرام آمدنی وافر مقدار میں حاصل ہو! چنانچہ سوشل میڈیا پر تصویریں آتی رہیں کہ شراب کے شائقین سماجی فاصلے (Social Distancing) کے ساتھ بارش، تیز ہوا اور اولے میں بھی چھاتا لے کر کافی دیر کھڑے رہے، تاکہ شراب خرید سکیں۔ ایک ریاست نے تو شراب کی ہوم ڈلیوری کا بھی انتظام کردیا۔

دعوت اسلامی اس کا حل پیش کرتی ہے۔دعوت اسلامی شراب کی شناعت، نقصانات اور اس کا تباہ کن ہونا واضح کرتی ہے۔معقول دلائل، حکمت اور نصیحت سے لبریز گفتگو اثر کرتی ہے۔جب ہم لوگوں کو اس کی خرابیاں اور اس کے نقصانات سے آگاہ کرتے ہیں تو ان کی سمجھ میں

آتی ہیں اور وہ شراب نوشی سے پرہیز کرنے لگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ کے رسول، حضرت محمدؐ کے ارشادات بالکل واضح ہیں۔ شراب کا پینا، فروخت کرنا، جمع کرنا، تحفہ میں دینا، کسی کو ٹرانسفر کرنا، اس کو کشید کرنا اور ٹرانسپورٹ کرنا۔ ان سب کاموں کے کرنے والوں پر آپؐ نے لعنت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی کا باعث بتایا۔ اخروی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے بارے میں بتایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک حاضر و ناظر اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین، اس کی خوشنودی کو پانے، اس کی ناراضگی سے بچنے کے پاکیزہ محرک نے کایا پلٹ دی۔ صدیوں سے شراب کو گھٹی میں پینے پلانے والی قوم نے شراب کو یوں ترک کر دیا گویا کبھی شراب سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ رسول اکرمؐ نے شراب کو ام الخبائث قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان، آخرت میں اعمال کی باز پرس کا یقین اور شراب کے سلسلے میں رسول اکرمؐ کی تعلیمات کا نتیجہ شراب کے خاتمہ کے طور پر سامنے آیا۔ مدینہ کی اسلامی سوسائٹی اور عرب میں اسلامی نظام کی کامیابی نے صدیوں پرانی شراب کی برائی کو جڑ سے نکال دیا۔

۷- اولڈ ایج ہومس (Old Age Homes)

یہ ہمارے ملک کا ایک سنگین انسانی مسئلہ ہے۔ مسلمان اسلامی تعلیمات کی بنا پر اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ ماں باپ جو بڑے ناز و نعم اور پیار سے اپنی اولاد کو پال پوس کر بڑا کرتے ہیں وہی اولاد ان کو لے جا کر بزرگوں کے گھروں کے حوالے کر دیتی ہے۔ اس سلسلے میں بڑے عبرت ناک واقعات پیش آتے ہیں۔ جن کو سن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

اسلام اس کا حل پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ والدین دونوں یا دو میں سے ایک بوڑھے ہو جائیں تو انھیں اف تک نہ کہو، ان کے سامنے جھک کر رہو۔ ان کے حق میں دعا کرو کہ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

رسول اکرمؐ نے ماں کا درجہ بلند کیا کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ باپ کو جنت کا دروازہ بتایا۔ یہاں تک فرمایا کہ جس کو بوڑھے ماں باپ ملیں (دونوں یا دو میں سے ایک) اور اس نے ان کی خدمت کر کے جنت کا خود کو مستحق نہیں بنایا وہ ہلاک ہوا۔

دعوت اسلامی نے والدین کو بوجھ کے بجائے خدا کی رحمت، قرب اور جنت پانے کا ذریعہ قرار دیا۔ آج بھی والدین کی مسلم معاشرے میں کافی قدر اور احترام وعزت ہے۔

بعض سماجی مسائل اور اخلاقی خرابیوں پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر غور کیجیے کہ موجودہ دور میں ان کو حل کرنے کی کوششیں ہمیشہ ناکام کیوں رہیں؟ مثلاً:

- رنگ ونسل اور علاقہ وزبان کی برتری
- عدمِ مساوات، اونچ نیچ، چھوت چھات
- سماجی انصاف سے محروم طبقات
- ذات پات کی تقسیم
- تشدد، دہشت گردی (بعض حکومتوں کی دہشت گردی)
- انسانی حقوق کی پامالی
- مہاجرین یا پناہ گزینوں کا مسئلہ
- ماحولیاتی آلودگی
- معاشی ظلم واستحصال
- اقلیتوں کے ساتھ فرقہ وارانہ منافرت، تہذیبی جارحیت، یک طرفہ فسادات اور نسل کشی
- عدم برداشت
- کم زوروں اور مظلوموں کا (Displacement) بالخصوص آدی باسی
- عورتوں کے خلاف جرائم، بچیوں اور خواتین کی اسمگلنگ (Women Traficing)
- گھروں میں خواتین پر تشدد، جنسی ہراسانی اور حملے
- عصمت دری، زنا بالجبر
- رحم مادر میں دختر کشی

- خودکشی
- چوری اور ڈکیتی
- اولڈ ایج ہومس (Old Age Homes)
- رشوت
- قتل ناحق
- صارفیت (Consumerism)
- فضول خرچی اور نمود و نمائش
- ارباب اقتدار کا بے لگام ہو جانا
- شراب اور ڈرگس (Druges)
- جوا، سٹّہ
- زنا بالرضا
- عمل قوم لوط
- عریانیت و فحاشی
- ڈانس و موسیقی
- لاٹری

بعض اخلاقی برائیوں کا چلن معاشرے میں اتنا زیادہ عام ہو گیا ہے کہ ان کو برا اور معیوب سمجھنا تو دور کی بات ہے، ان کو ترقی کے لیے ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک ایک خرابی ایسی ہے کہ وہی اکیلے انسانیت کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہاں تمام خرابیوں اور سماجی مسائل کی کوئی فہرست پیش کرنا نہ ممکن ہے اور نہ ہی پیش نظر ہے۔ یہ چند خرابیاں مثال کے طور پر بیان کی گئی ہیں۔

مذکورہ بالا مسائل، خرابیوں اور برائیوں میں سے ہر ایک کو اسلام کی دعوت کس طرح حل کرتی ہے۔ کیا اصول اور رہ نمائی کرتی ہے؟ اس پر تفصیلی گفتگو کے لیے تو ایک کتاب بھی ناکافی ہوگی۔ اس سلسلے میں دعوت اسلامی کی کامیابی کی عملی دلیل ایک تاریخی اور مستند ریکارڈ کے حوالے

سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے قبل یعنی اسلام سے پہلے عرب سماج کی خوبیوں اور خرابیوں کی تمام تفصیلات کتابوں میں درج ہیں۔ اسلام کی دعوت جب پیش کی گئی تو صرف تیئس سال کی قلیل مدت میں ایک پرامن، ہمہ جہت اور مکمل صالح انقلاب برپا ہوا۔ رفتہ رفتہ مسائل حل ہوتے چلے گئے اور خرابیوں کی مکمل اصلاح ہوئی۔

مسائل کے حل، خرابیوں اور بگاڑ کی اصلاح کے لیے رسول اکرمؐ نے وحی الٰہی کی روشنی میں اور اپنی پیغمبرانہ بصیرت وحکمت اور قرآن مجید کی انقلابی تعلیمات کے ذریعہ انسان کو اندر سے بدلا۔ خارج سے قانون سازی، جیل، عدالت اور مختلف اقدامات کی اہمیت اور ضرورت اپنی جگہ، اگر انسان خود کو بدلنا نہیں چاہتا تو اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔

مذکورہ بالا سماجی خرابیوں اور اخلاقی برائیوں میں سے ہر ایک کے سلسلے میں تفصیل سے بتانا کہ کس طرح ان کی اصلاح کی گئی طوالت کا باعث ہوگا۔ مختصر طور پر کچھ نکات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

- ایمان باللہ کو قلب وذہن میں مضبوطی سے جما دیا۔
- اللہ تعالیٰ کی صفات اور پے در پے قرآنی آیات کی تعلیم کے ذریعہ ان کے اندر ذہن وفکر اور سیرت وکردار یعنی پوری زندگی میں ایک زبردست انقلاب برپا ہوتا چلا گیا۔
- جس یقین نے صحابہؓ کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا اور ان کی زندگیوں کو حیرت انگیز حد تک بدل دیا وہ اس دعوت کا عقیدۂ آخرت تھا۔ یعنی ایک یوم الحساب موت کے بعد آئے گا۔ ہر انسان میدان حشر میں انفرادی حیثیت میں خدا کے سامنے حاضر ہوگا۔ اس کے اعمال کا دنیوی ریکارڈ پیش کیا جائے گا۔ اعمال کی بازپرس کا سخت مرحلہ آئے گا۔ کامیاب لوگ خدا کی خوشنودی اور جنت پائیں گے، وہاں جو ناکام ہوں گے وہ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔

اسلام میں سزائیں بالکل آخری درجے یا مرحلے میں آتی ہیں، جب اصلاح کی تمام کوششیں ناکام ہوجاتی ہیں۔

دعوت

احادیث اور واقعات کی روشنی میں

دعوت کا حکم جس طرح قرآن مجید میں بیان ہوا ہے، اسی طرح رسول اکرمؐ نے ارشادات کے ذریعے بھی اس کا حکم دیا ہے۔ اس باب میں منتخب احادیث اور واقعات پیش کیے جائیں گے۔ یہ احادیث فریضۂ دعوت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے دین کے حوالے سے قرآن اور حدیث کی رہ نمائی بنیادی اور قطعی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ اسوۂ رسول اس پر عمل کا نمونہ یا عملی ماڈل ہے۔ رسول اکرمؐ کی جملہ تعلیمات دعوت پر عمل کر کے صحابہ کرامؓ نے بھی اپنا اسوہ چھوڑا ہے۔ صحابہ کرامؓ رسول اکرمؐ کی مبارک زندگی میں دعوت کا کام کرتے تھے۔ آپؐ ان کی رہ نمائی فرماتے، ہر مرحلے میں صحابہ کرامؓ کو آپؐ کی ہدایات سے مدد ملتی تھی۔ آپؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ دعوت پھیلانے کے لیے عرب سے باہر نکل گئے۔ مختلف براعظموں میں دعوت کے ذریعہ دنیا کی قوموں اور ملکوں میں اسلام کو پہنچا دیا۔ ہر جگہ انہیں دعوتی فتوحات حاصل ہوئیں اور اپنے مشن میں وہ ہر جگہ کام یاب رہے۔ بعض جگہوں پر جہاد کے بجائے صرف دعوت سے عظیم الشان کام یابیاں حاصل ہوئیں۔

صحابہؓ کے بعد بھی تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں دعوت کا کام زوروں وشور سے ہوتا رہا۔ مشہور مؤرخ ٹی۔ آرنلڈ نے اپنی کتاب 'Preaching of Islam' میں بہت تفصیل سے اشاعتِ اسلام کا جائزہ لیا ہے۔ اس میں اہم عنصر دعوت رہا ہے۔ مسلمانوں کی

حکومتیں جہاں بھی رہیں دعوت کے فروغ اور استحکام میں ان کا رول کم ہی رہا، بلکہ اسلام وہاں زیادہ پھیلا اور قبول عام حاصل کیا جہاں مسلمانوں کی حکومتیں نہیں تھیں۔

ہمارے ملک میں صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین دعوت کا کام کرنے کے لیے تشریف لائے۔ یہاں ان کو بڑی کامیابی ملی۔ اس سلسلے میں صوفیہ کرام کی کوششیں قابلِ قدر ہیں۔ لیکن ان کے بعد دعوتی جذبہ تقریباً سرد پڑ گیا اور دعوت کے لیے مسلمان بعض استثنا کے ساتھ عمومی غفلت اور تساہلی کا شکار ہو گئے۔

دعوت انسان کی فطرت ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح جانوروں کے بچے تندرست و کامل جانور پیدا ہوتے ہیں۔ کیا تم ان میں کوئی نقص پاتے ہو؟ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ (سورہ الروم: ۳۰)

''اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی یہی سیدھا اور استوار دین ہے۔''

دعوت پیش کرتے ہوئے مدعوئین کے سامنے اس حقیقت کو بیان کرنا چاہیے۔ دعوت کا اصولی، جامع اور حکیمانہ تعارف پیش کیا جاتا ہے تو مدعوئین سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے دل کی آواز ہے اور اس کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں۔ ان کی بلکہ ہر انسان کی فطرت اور اس دعوت میں کوئی بُعد، اجنبیت اور بیگانگی نہیں ہے۔ کیوں کہ انسان کی فطرت کا بنانے والا خالق اور اس دعوت کو انسان کے لیے پسند فرمانے والا رب دونوں الگ الگ ہستیاں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی ہستی اللہ تعالیٰ ہے۔

اگر کوئی پہلے سے مسلمان ہے تو اس دعوت پر عمل کرنا آسان ہے، اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے، لیکن جو انسان یا جو گروہ اس سے محروم زندگی بسر کر رہا ہے، اس کے سامنے

اس دعوت کا تعارف کرایا جائے۔ اس کو اس کا مطابقِ فطرت اور ہم آہنگ ہونا سمجھایا جائے تو اس سے قبولیت دعوت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس پر عمل کرنا بھی آسان ہوجاتا ہے۔ انسانی فطرت کے خالق کو اچھی طرح انسان کی کم زوریاں، خوبیاں اور کمیاں معلوم ہیں۔ اس کے سوا کوئی اس حقیقت سے واقف بھی نہیں ہے، لیکن جو انسان دعوت کا انکار کرتا ہے وہ دراصل اپنی فطرت اور خالق کی فطرت دونوں کا انکار کرتا ہے۔ انکار کے پیچھے مختلف عوامل ہوسکتے ہیں، مثلاً آباء پرستی، مفاد پرستی یا خواہشات نفس کی بے لگام پیروی وغیرہ۔ اس دنیا سے گزر کر دین سے محروم انسان آخرت میں کیسے انجام سے دوچار ہوں گے؟ اس حدیث سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

''حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کے روز کافر کو لایا جائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ بتاؤ، اگر تمہارے پاس زمین بھر سونا ہوتا تو کیا تم (عذاب سے نجات پانے کے لیے) اسے فدیہ میں دے دیتے؟ وہ عرض کرے گا کہ ہاں۔ اس پر اس سے کہا جائے گا کہ تم سے تو اس سے بہت ہی ہلکے اور کم کا مطالبہ کیا گیا تھا۔'' (بخاری)

اس طرح کی احادیث سے خود داعی کے رونگٹے کھڑے ہونے چاہیں۔ اگر وہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعویٰ کرے کہ داعی نے دین نہیں پہنچایا تھا تو وہ اللہ کو کیا جواب دے گا اور اس کو کیسے مطمئن کرے گا؟

دعوتِ اسلامی کا جامع تعارف

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ حبشہ میں نجاشی کے دربار میں پیش آنے والا قصّہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے نجاشی کے دربار میں پہنچے اور اسلام کا تعارف کراتے ہوئے انھوں نے یہ تقریر کی:

''اے بادشاہ! ہم لوگ جہالت اور جاہلیت کی زندگی بسر کررہے تھے۔ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بے جان بتوں کی پرستش کرتے، مردار کھاتے، ہر طرح کی بے حیائی، بدکاری کے مرتکب ہوتے، رشتہ داروں کے حقوق مارتے، پڑوسیوں سے

بدسلوکی کرتے اور ہر قوی کم زور کو دبا تا تھا۔

اسی حالت پر ہم ایک مدت تک رہے، یہاں تک کہ اللہ نے ہمارے پاس ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جس کی عالی نسبی سے، جس کی راست گوئی سے، جس کی امانت و دیانت سے اور جس کی عفت و پاک دامنی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم سے کہا کہ اللہ عزوجل کی عبادت کریں اور ان بے جان پتھروں اور دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ دیں جن کی ہم اور ہمارے اسلاف پوجا کر رہے تھے۔

اس پیغمبر نے ہم کو سچی بات کہنے، امانت میں خیانت نہ کرنے، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے، حرام کاموں سے باز رہنے اور خوں ریزی سے رک جانے کی تعلیم دی۔ اس نے ہمیں بدکاریوں سے، جھوٹی گواہی دینے سے، یتیم کا مال ہڑپ کرنے سے اور عفیفہ پاک دامن عورت پر بہتان لگانے سے منع کیا۔

اس نے ہم کو حکم دیا کہ سوائے اللہ واحد کے اور کسی کو معبود نہ بنائیں۔ اس کے ساتھ کسی کو ذرا بھی شریک نہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں۔

(مسند احمد بحوالہ زادراہ، صفحہ ۱۶۴)

دعوتِ دین کی اہمیت

فریضۂ دعوتِ دین کوئی معمولی ذمہ داری نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اسی فریضے کی ادائیگی کے لیے وجود بخشا گیا ہے۔ انھیں دعوت کا کام عام انسانوں کے درمیان رہ کر انجام دینا ہے۔ مسلمان دنیا میں مختلف میدانوں میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیں۔ دنیا والے اس پر ان کے معترف ہوں، ان کی خدمات پر مشکور و ممنون ہوں، لیکن دعوت کا فریضہ انجام نہیں دیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کارناموں کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔ ان تمام کارناموں کے باوجود یہ امت مسلمہ کی ناکامی کا کھلا اعلان ہوگا۔ ان کا اصلی کارنامہ، جو اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں باوزن اور قیمتی ہوگا، وہ شہادت علی الناس ہے۔ انسانیت کے لیے کوئی خدمت اس سے بڑھ کر نہیں ہے اور نہ آئندہ ہوسکتی ہے کہ انہیں جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے ان تک دعوت پہنچائی جائے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

''تم زمین میں اللہ کے گواہ بنو، تم زمین میں اللہ کے گواہ بنو، تم زمین میں اللہ کے گواہ بنو۔'' (مسلم)

یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ مولانا محمد فاروق خان اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حدیث کا یہ فقرہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اَنْتُمْ شُھَدَاءُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ (تم زمین اللہ کے گواہ بنو) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اس کے اولین مخاطب ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ درجہ بدرجہ تمام مسلمانوں یا امت مسلمہ کی حیثیت اس زمین میں شھداء اللہ یعنی خدا کی طرف سے مقرر گواہ یا شاہد حق کی ہے۔ اس ذمہ داری کی طرف سے غفلت کسی حالت میں بھی درست نہیں ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ خدا نے جس اہم منصب پر انھیں کھڑا کیا ہے اس سے ہرگز غافل نہ ہوں۔ وہ اہل عالم کی زندگی کے ہر ایک میدان میں قیادت یا رہ نمائی کریں، انھیں عملی اور فکری ہر قسم کی گم راہیوں اور ضلالتوں سے نکال کر حق سے آشنا کریں۔ (کلام نبوت، جلد پنجم، صفحہ ۵۱۔۵۲)

دعوت دین کی اہمیت کے سلسلے میں اس مختصر حدیث کو مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر عام کرنے کی ضرورت ہے:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''میری طرف سے پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہو۔'' (بخاری)

تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ اس حدیث کے ہوتے ہوئے مسلمان دعوت سے غافل ہیں۔ اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ، ہر امتی کو گویا حکم دے رہے ہیں کہ وہ ایک آیت بھی جانتے ہیں تو اسے لے کر بیٹھ نہ جائیں، بلکہ اس کی تبلیغ کریں اور اس کے علم کو عام کریں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب آیت کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔

رسول اکرمؐ پر جو قرآن نازل ہوا تھا وہ مکمل اور محفوظ ہے۔ اس میں ۶۶۶۶ آیات ہیں جن میں سے سات سو پچاس کے قریب آیات میں احکام بیان ہوئے ہیں باقی آیات کا براہ راست تعلق دعوت سے ہے۔ اس کے علاوہ دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اس میں زندگی کے

تمام شعبوں کے متعلق اصولی اور جامع رہ نمائی موجود ہے، لیکن ان سب سے فائدہ اٹھا کر دوسروں کی زندگیوں کو سنوارنے اور گم راہی و بگاڑ سے بچانے کے بجائے مسلمان خود دین کی رہ نمائی سے غافل ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج انسانیت بڑے بگاڑ، فساد اور گم راہی کا شکار ہو چکی ہے۔ اس کی ذمہ داری آخر کس پر ہے؟ اس کے بدترین نتائج اس دنیا میں مسلمان خود بھی بھگت رہے ہیں لیکن آخرت کا انجام بہت خوف ناک ہونے والا ہے۔ مسلمانوں کو اس حدیث کی روشنی میں اللہ کا دین برادران وطن تک پہنچانے کے لیے بلا تاخیر سرگرم عمل ہو جانا چاہیے۔

برادران وطن کے دانش وروں، سماجی قائدین اور مختلف سطح کی تنظیموں کے سربراہوں کو خود بھی اس سنگین صورت حال کا احساس ہے۔ ایک صاحب نے ملاقات میں کہا کہ اگر ہمارے بھگوان اور آپ کا خدا بھی (نعوذ باللہ) ملک میں آ کر حالات کو سدھارنے کی کوشش کریں تو کام یاب نہیں ہو سکتے۔ اب اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔ مسلمانوں کو اس درجہ مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ برادران وطن کے پاس کوئی حل نہیں ہے اس لیے وہ مایوس ہیں۔ مسلمانوں کے پاس مسائل کے حل اور حالات کی بہتری کی شاہ کلید ہے اور وہ دعوت ہے۔ مسلمانوں کو بس اس کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے ساتھ ان کا عملی رویہ اسلام کا ترجمان بن جائے۔

دعوت کی فضیلت اور ترغیب

دعوتی کام کی بڑی فضیلتیں ہیں جو دنیوی اور اخروی دونوں طرح کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خوش نودی، فلاح آخرت اور جنت پانا اخروی فضیلت ہے۔ یہ عظیم کام یابی ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی کام یابی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے خالص مادی اور دنیوی فائدے بھی ہیں۔ ان کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

(الاعراف:۹۶)

''اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر

آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے، لیکن انھوں نے (دین حق کو) جھٹلا دیا تو ہم نے انھیں (ان کے برے اعمال کے باعث) پکڑ لیا جو وہ کرتے رہے تھے۔''

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

(ہود:۵۱، ۵۲)

''اے میری قوم! میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اس ذات کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ اور اے میری قوم! تم اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوت پر قوت بڑھائے گا اور تم مجرم بن کر (حق سے) منہ نہ موڑو۔''

ثُمَّ اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝

(نوح:۸۔۱۲)

''پھر بے شک میں (نوح) نے انھیں کھلی دعوت دی، پھر میں نے ان سے علانیہ کہا اور چپکے چپکے بھی سمجھایا، چنانچہ میں نے کہا: تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا۔ تمھیں مال اور بیٹوں سے بڑھائے گا اور تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور نہریں جاری کرے گا۔''

ان آیات پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس قدر واضح یقین دہانی کرائی جا رہی ہے کہ اس کے بندے دعوت کے دنیوی خیر و برکات سے فائدے اٹھائیں گے۔ یہ سب داعیوں اور مدعوئین دونوں کے لیے عام ہیں۔ بشرطے کہ جن کو دعوت دی جا رہی ہے وہ دعوت حق کو قبول کر لیں۔ داعی کی جانب سے دعوت حق پیش ہو اور اس کی حجت بھی

قائم ہوجائے تو ان کی ذمہ داری ختم ہوجائے گی۔ مدعوئین قبول حق کے بجائے انکارِ حق، مخالفت اور ظلم وتشدد پر اتر آئیں تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے دوسرے ہیں۔

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ دین نعمتوں کے خزانے ہیں۔ ان نعمتوں کے خزانوں کے لیے کنجیاں ہیں۔ خوش خبری ہو اس بندے کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ بھلائی کی چابی اور برائی کا تالا بنادیں، یعنی ہدایت کا ذریعہ بنادیں اور تباہی ہے اس بندے کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ برائی کی چابی اور بھلائی کا تالا بنادیں، یعنی گم راہی کا ذریعہ بنے۔'' (ابن ماجہ)

دعوت کی دنیاوی برکتوں میں سب سے اہم امن وامان کا قیام اور انسانوں کے لیے سلامتی کا حصول ہے۔ اس کے ساتھ عدل وانصاف کا حصول اور بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ بھی اسی دعوت کے ذریعہ ہوگا۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا کہ کسی باطل نظریہ یا کسی باطل مذہب کے ذریعہ امن وامان اور عدل وانصاف کا حصول ممکن ہوا ہو۔ جب کہ دعوت اسلامی کا حال یہ ہے کہ انبیاؑ کی آمد کا مقصد ہی عدل وقسط کا قیام بتایا گیا ہے۔

دعوت قیام امن کی بنیاد

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ دعوت کی دنیاوی برکتوں میں ایک دعوت کی کام یابی کی صورت میں امن وامان قائم ہونا ہے۔

مکی دور میں جب دعوت کی مخالفت بڑھ گئی تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ مشرکین کی ہلاکت کے لیے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپؐ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا۔ آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

''تم سے پہلے ایک شخص کا حال یہ ہوتا کہ اس کی ہڈی پر گوشت یا پٹھوں کے نیچے لوہے کی کنگھیاں چلاتے، لیکن یہ چیز بھی اسے اس کے دین سے نہ ہٹاتی تھی اور کسی کے سر پر آرہ رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کردیے جاتے تھے، پھر بھی یہ چیز اسے اس کے دین سے نہ ہٹاتی تھی۔ اللہ کی قسم، وہ اس دین کو پورا کرکے رہے گا، یہاں تک کہ ایک سوار

صنعا سے حضر موت تک اس طرح بے خوف ہو کر سفر کرے گا کہ اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔'' (بخاری)

''حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یقیناً اللہ اس دین کو مکمل نافذ کر کے رہے گا، یہاں تک کہ ایک عورت اکیلی (حیرہ) ملک شام سے چلے گی اور مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرے گی اور کوئی نہ ہوگا جو اس کو چھیڑے۔'' (البدایۃ والنہایۃ، جلد ۵، صفحہ ۶۶)

مکی اور مدنی زندگی کے یہ واقعات اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ دعوت کی کام یابی کے نتیجے میں امن وامان، سلامتی، انسانی حقوق کا تحفظ اور انسان کی عزت اور تکریم ہوگی۔ مکہ میں رسول اکرمؐ نے دعوت کے تعلق سے جو پیشین گوئی فرمائی اس وقت دور دور تک اس کی کام یابی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ صحابہ کرامؓ شدید ظلم وستم اور اذیتوں کو صبر اور استقامت کے ساتھ جھیل رہے تھے۔ دوسری پیشین گوئی مدینہ میں حضرت عدیؓ کے قبول اسلام کے موقع کی ہے۔ یہ دونوں پیشین گوئیاں پوری ہوتی ہیں۔ اس عرب میں جہاں طاقت ور قبیلے آپس میں ہمیشہ لڑتے رہتے تھے۔ عرب اور اس کے اطراف کے علاقوں میں دعوت کی بدولت ایسا امن وامان قائم ہوا کہ کسی بڑھیا یا کم زور کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہیں رہا۔ ایک دور دراز مقام کا سفر وہ مال ودولت کے ساتھ تنہا کر سکتی تھی۔

دعوت قیامِ عدل کا ذریعہ

امن وامان اور ہر انسان کی سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ ظلم وستم، استحصال کا خاتمہ ہو اور عدل وانصاف قائم ہو۔ دعوت کی دنیاوی برکتوں اور خیر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دعوت قیامِ عدل وقسط کا ذریعہ ہے، بلکہ اس کے لیے دعوت ناگزیر ہے۔

اسلام سے قبل عدل وانصاف کی صورت حال کیا تھی؟ پھر اس دور کی دنیا کو دیکھیں۔ دو بڑی طاقتوں ایران اور روم اور ان کے حلیف ممالک اور حکم رانوں کے مابین مسلسل جنگوں اور تباہیوں کے نتیجے میں نہ صرف امن وامان تباہ وبرباد ہو چکا تھا، بلکہ عدل وانصاف کے لیے انسان ترستے تھے۔ طاقت ور اور کم زور دونوں کے لیے انصاف کے پیمانے الگ الگ تھے۔

بادشاہ اور حکم راں کسی دستور کے پابند نہیں تھے۔لیکن اس دعوت نے جو نظام حکمرانی قائم کیا اس نے سب سے زیادہ حکم رانوں کو قانون و دستور کا پابند کیا۔ ہر ایک فرد کو خواہ وہ کسی نسل کا ہو کوئی زبان بولتا ہو یا علاقے سے تعلق رکھتا ہو، عدل و انصاف کا پورا پورا حق عطا کیا۔ اس پر ظلم کے خلاف دادرسی کے لیے حکم رانوں کو پابند کیا۔

ایرانی سپہ سالار رستم اور اس کے فوجی کمانڈروں کے سامنے ایک صحابی حضرت ربعی بن عامرؓ نے دعوت اسلامی کا تعارف کراتے ہوئے کہا تھا:

> ''اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس بات پر مامور کیا ہے کہ وہ جن کو توفیق دے انھیں ہم انسانوں کی بندگی سے نکالیں اور اللہ کی بندگی میں داخل کریں۔ اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر وسیع اور کشادہ دنیا میں لائیں۔ اور ظالمانہ نظام ہائے زندگی سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف کے سائے میں بسائیں۔ پس اللہ نے ہمیں اپنا دین دے کر اپنی مخلوق کے پاس بھیجا ہے، تاکہ ہم لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلائیں۔''
>
> (البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، صفحہ ۳۹)

اس دعوت کی کام یابی کے بعد جو نظام حکومت قائم ہوا، اس میں عدل و انصاف قائم ہوا اور اس کے بعد بھی کئی صدیوں تک عدل و انصاف کا دور دورا رہا بالخصوص اقلیتوں اور مخالفین کے حقوق کی پاس داری اور صلۂ رحمی کا رویہ حکومتی ذمہ داروں نے اختیار کیا۔

چنانچہ تاریخ میں مسلم حکم رانوں کے عدل و انصاف اور رعایا پروری کے بے شمار واقعات ہیں۔ اس کا اعتراف مخالفین بھی کرتے ہیں۔ اگرچہ کتنے ہی مسلمان حکم رانوں نے اسلام کے معیار سے کم تر حکم رانی کی، لیکن انصاف اور رعایا پروری میں کوئی کمی نہیں کی۔

دعوت کی فضیلت اور داعی کے لیے بشارتیں

حضرت ابن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''اللہ کی قسم! اللہ اگر تمہاری رہ نمائی سے ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے

لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔'' (ابوداؤد)

اس دور میں عرب کا سب سے قیمتی مال سرخ اونٹ تھے۔ مال و دولت کی بڑی سے بڑی مقدار کا تصور کریں، اس سے بھی بڑھ کر یہ دولت ہے کہ کوئی ہدایت قبول کر لے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے تو اسے ان کے برابر اجر و ثواب ملے گا جو اس کا (ہدایت میں) اتباع کریں گے اور اتباع کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص گم راہی کی طرف دعوت دے گا اس پر ان کے برابر گناہ ہوگا جو (ضلالت اور گم راہی میں) اس کی پیروی کریں گے اور اس سے پیروی کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔'' (مسلم)

حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص بھلائی کی راہ بتائے اسے اتنا ہی اجر و ثواب ملے گا جتنا اس بھلائی اور خیر کو عملاً اختیار کرنے والے کو ملے گا۔'' (مسلم)

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہدایت اور دین حق کی طرف دعوت دینا ہر حال میں فضیلت اور نیکی کا کام ہے۔ داعی کی کوششوں کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دے تو ہدایت قبول کرنے والے کے اعمال خیر کا اجر و ثواب داعی کو بھی ملے گا۔ اور اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر وہ، ہدایت قبول نہیں کرتا تو داعی اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔

دعوت میں دنیا اور آخرت دونوں کی کام یابی ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے لیڈروں کی بات سن کر فرمایا:

''مجھے اس چیز کی قطعاً حرص نہیں جو تم پیش کر رہے ہو۔ میں جو دعوت تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ میں مال جمع کرنا چاہتا ہوں، یا شرف وعزت کا طالب ہوں، یا تم پر حکومت واقتدار کا بھوکا ہوں، بلکہ اللہ نے مجھے تمہارے پاس نبی بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب اتاری ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا کہ میں غلط نظامِ زندگی کے عواقب ونتائج سے تمہیں آگاہ کردوں اور جو لوگ مان لیں انھیں کامیابی کی خوش خبری دوں۔ تو میں نے اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچا دیے اور خیر خواہی سے سمجھا دیا ہے۔ اگر تم میری دعوت کو اپنا لو تو یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔'' (البدایۃ والنہایۃ، جلد ۳، ص ۵)

حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''جس شخص نے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیا ہے۔'' (مسلم)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتی تڑپ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر تھے۔ آپؐ پوری انسانیت کے پیغمبر ہیں۔ آپؐ سے بڑھ کر انسانوں کے لیے جہنم کے خوف ناک انجام سے کوئی دوسرا واقف نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے انسانوں سے بے انتہا محبت اور ان کو جہنم کی خوف ناک آگ سے بچانے کا شدید جذبہ آپؐ کے اندر تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بار بار تسلی دی ہے کہ آپؐ کے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے، ہدایت دینے والے آپ نہیں ہیں۔ ہدایت تو جسے بھی ملے گی اللہ تعالیٰ کے توفیق سے ہی ملے گی۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسانیت کے غم میں چین کہاں مل سکتا تھا؟ آج بھی دعوت کے فریضہ کو کماحقہ ادا کرنے کے لیے امت کو اپنی داعیانہ حیثیت کا احساس اور انسانوں سے محبت کرنا ناگزیر ہے۔ انسانوں کو جہنم کی دردناک آگ سے بچانے کی تڑپ اس کے اندر ہونا ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میری مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی اور جب آگ نے اپنے ماحول کو روشن کر دیا تو پروانے اور وہ کیڑے جو آگ میں جا پڑتے ہیں، اس آگ میں ٹوٹے پڑتے ہیں اور آگ جلانے والا ان کو روکنے لگتا ہے، مگر وہ اس پر غالب رہتے ہیں اور (اس کے روکنے کے باوجود) آگ میں جا پڑتے ہیں۔ بس (میرا یہی حال سمجھو کہ) تمہیں آگ سے بچانے کے لیے میں تمہاری کمریں پکڑے ہوئے ہوں، مگر تم ہو کہ آگ میں گرے پڑتے ہو۔'' (بخاری)

مولانا محمد فاروق خاں نے اس حدیث کی تشریح بڑے دل نشین انداز میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے اس بے تابی کا پتہ چلتا ہے جو آپؐ کے دل میں قوم کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے تھی۔ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو جو تکلیفیں پہنچائی جا رہی تھیں اصل رنج آپ کو ان تکلیفوں کا نہ تھا، بلکہ آپؐ کو جو چیز بے چین کیے ہوئے تھی وہ قوم کی گم راہی تھی، جس کا انجام تباہی اور عذاب جہنم کے سوا اور کچھ ہو نہیں سکتا تھا۔ آپؐ کی کوشش یہ تھی کہ قوم گم راہی سے باز آجائے اور ضلالت سے تائب ہو کر راہِ حق اختیار کر لے، تاکہ غضبِ الٰہی سے وہ بچ سکے، لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قوم اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو کر ہی رہے گی۔ آپ کی بے چینی اور دلی کیفیت کا اظہار حدیث میں پیش کی گئی تمثیل سے بہ خوبی ہوتا ہے۔'' (کلام نبوت، جلد پنجم، ص ۹۴)

انسانوں کو ہلاکت سے بچا کر نجات کی راہ پر لانے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ تڑپ کا اندازہ بخاری و مسلم کی ایک روایت سے کیا جا سکتا ہے۔ پیغمبر کے لیے جہنم کا انسانوں کے لیے خطرہ ایک آنکھوں دیکھا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے وہ پورے یقین اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اس خطرے سے بچانے کے لیے بے چین ہوتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میری اور جس چیز کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو

ایک قوم کے پاس آیا اور کہا: اے میری قوم کے لوگو! میں نے (تمہارے دشمنوں کا) ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں 'نذیر عریاں' ہوں۔ تم لوگ نجات کا راستہ تلاش کرلو، نجات کا راستہ تلاش کرلو۔ چنانچہ اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی اور اپنے گھروں سے راتوں رات آہستہ سے نکل گئے اور نجات پالی اور قوم کے کچھ لوگوں نے اس کی بات نہیں مانی اور وہ اپنے گھروں میں ہی پڑے رہ گئے، پھر صبح ہوتے ہی اس لشکر نے ان پر دھاوا بول دیا، انھیں ہلاک کر کے رکھ دیا اور جڑ سے انھیں اکھاڑ پھینکا۔ پس یہی مثال ہے اس کی جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اس کو جھٹلا دیا۔'' (بخاری و مسلم)

طائف کا دعوتی سفر

مکہ میں دعوت دیتے ہوئے دس سال گزر چکے تھے۔ مخالفت اپنی انتہا پر تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات ہو چکی تھی۔ رسول اکرم ﷺ کو خیال ہوا کہ مکہ کے باہر جا کر اسلامی دعوت کو عام کرنا چاہیے۔ آپؐ نے طائف کا انتخاب فرمایا اور طے کیا کہ قبیلۂ بنوثقیف کے سرداروں کو دعوت پیش کی جائے، اس سفر میں آپؐ کے ساتھ حضرت زیدؓ تھے۔ آپؐ کے پاس سواری بھی نہیں تھی۔ رسول اکرمؐ کی مبارک زندگی کا یہ عظیم دعوتی واقعہ ہے کہ مکہ میں مسلسل دس سال تک دعوت دیتے ہوئے اور آپ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو شدید ظلم و ستم اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن آپؐ مایوس اور بددل ہرگز نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ کے دل میں اللہ کے بندوں کو جہنم کے عذاب سے بچانے کی شدید تڑپ تھی۔ آپؐ نے دیکھا کہ مکہ میں کام کی راہیں بند ہوتی جارہی ہیں اس لیے مناسب سمجھا کہ طائف کے لوگوں کو دعوت پیش کریں۔ آپؐ کے اس سفر کی خبر مکہ والوں کو نہیں تھی۔ بعثت کے ۱۰ ویں سال شوال میں یہ سفر پیش آیا۔ طائف کے طاقت ور قبیلے خفیف کے تینوں سرداروں: عبد یالیل، مسعود، حبیب نے آپؐ سے ملاقات کے بعد آپ کی دعوت کی شدید مخالفت کی۔ طنز و تحقیر بھرے انداز میں (نعوذ باللہ) رسول اکرمؐ کے ساتھ برتاؤ کیا۔ انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ شہر کے اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپؐ پر فقرے

کستے اور پتھر برساتے۔ سڑک کے دونوں کناروں پر کھڑے رہ کر آپ پر مسلسل پتھر برساتے رہے۔ رسول اکرمؐ کے مبارک پیروں سے خون بہتا رہا۔ یہاں تک کہ آپؐ کو بچانے کی کوشش میں حضرت زیدؓ شدید زخمی ہو گئے۔ بالآخر آپؐ بے ہوش ہو گئے تو اوباش آپؐ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ آپؐ اور حضرت زید قریبی باغ انگور کے بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ باغ کی ملکیت مکہ کے دو سرداروں عتبہ اور شیبہ کی تھی جو سگے بھائی تھے۔ انہیں رحم آیا۔ اپنے ملازم غلام عدرس کو انگوروں کا گچھا بھیج کر تناول کرنے کی پیش کش کی۔ اس کی کچھ تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

''آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر ہاتھ بڑھایا اور انگور کھائے، عدرس حیرت سے بولا: اللہ کی قسم اس علاقے کے لوگ تو یہ الفاظ نہیں کہتے۔ رسول اللہؐ نے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا: میں عیسائی ہوں اور نینوی (موصل کے قریب ایک گاؤں) کا رہنے والا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: مرد صالح یونس بن متی کی بستی کے؟ اس نے پوچھا: آپؐ ان کو کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا وہ میرے بھائی ہیں وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں یہ سنتے ہی عدرس آپ پر جھکا اور آپ کے سر ہاتھوں اور قدموں کو چومنے لگا۔'' (سیرت رسولؐ دروس اور نصائح صفحہ ۱۸۸)

سیرت رسولؐ کی کتابوں میں یہ تفصیلات بھی ملتی ہیں کہ آپؐ نے طائف کے عائدین اور معززین کے پاس ملاقات کر کے دعوت پیش کی۔ لیکن کسی نے بھی اسے قبول نہیں کیا۔ شدید مخالفت کی۔ آپؐ پر ظلم و تشدد میں ان لوگوں کا بھی حصہ تھا۔

آپ انگور کے باغ میں بیل کے سائے میں بیٹھ گئے تو آپ کو تھوڑا سکون میسر آیا۔ بے اختیار اپنے رب کی یاد آئی۔ آپؐ کو ایسے نازک موقع پر دشمنوں کے ہاتھوں تکلیف اٹھانے کا ملال نہ تھا آپؐ کو صرف یہ احساس دامن گیر تھا کہ کہیں میرا رب مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گیا۔ آپؐ نے درد بھرے اور غم ناک لہجے میں دعا مانگی۔ یہ دعا کیا ہے، تعلق باللہ، توکل علی اللہ اور محبت الٰہی کا شاہکار ہے۔ اس کے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں:

''خداوندا، میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے رحم الرحمن تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا

رب بھی تو ہی ہے مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی کے ساتھ پیش آئے یا کسی دشمن کے حوالے جس کو تو نے مجھ پر قابو پا لینے کا یارا دے دیا ہے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں۔ مگر تیری طرف سے عافیت نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشادگی ہے میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اجالا کرتا اور دنیا اور آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے مجھے اس سے بچا لے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں، تیری مرضی پر راضی ہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں۔''

(سیرت سرور عالمؐ، جلد دوم، صفحہ: ۶۳۴، ۶۳۵)

رسول اکرمؐ کے سفر طائف اور بعد کے حالات میں دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے بہت رہ نمائی ہے۔ یہاں صرف دو تین نکات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ طائف میں سرداروں اور رئیسوں نے دعوت کو سن کر اوباشوں کے ذریعہ رسول اکرمؐ پر ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ آپؐ نے اس پر صبر واستقامت کی روشن مثال قائم فرمائی وہ تا قیامت داعیان حق کے لیے عظیم نمونہ ہے دوسری بات یہ ہوئی کہ آپؐ نے جھٹلانے والوں سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ انہیں معاف فرما دیا۔ ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپؐ نے جھٹلانے والوں کے سلسلے میں فرمایا تھا کہ یہ نہیں تو ان کی آنے والی نسلیں ایمان لے آئیں گی۔ لیکن خود رسول اکرمؐ کی مبارک زندگی میں آخری زمانے میں قبیلۂ ثقیف کے لوگ ایمان لے آئے۔

ظلم وستم اور تشدد ڈھانے والوں کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ کرنا اور ان کی آئندہ نسل سے ایمان لانے کی توقع رکھنا یہ عظیم کردار صرف رسول اکرمؐ ہی کا ہو سکتا ہے۔ اس کی پیروی کرنا بہت بڑی سعادت اور دنیوی کامیابی کی ضمانت ہے۔

صحابہ کرامؓ کی دعوتی جدوجہد

آئندہ صفحات میں صحابہ کرامؓ کے قبول اسلام اوران کی دعوتی جدوجہد کے چند واقعات بطور نمونہ پیش کیے جارہے ہیں۔ ہرصحابی اور صحابیہ کے اندر قبول حق کے بعد اپنے خاندان اور جان پہچان کے لوگوں میں اسلام کی دعوت پہنچانے کی بے پناہ تڑپ پائی جاتی تھی۔

۱-حضرت ابوبکرؓ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کے دوست تھے۔ایک دن وہ آپؐ سے ملاقات کے ارادے سے گھر سے نکلے۔آپؐ سے ملاقات ہوئی تو عرض کیا:

ابوالقاسم! (یہ رسول اللہؐ کی کنیت ہے) آپ اپنی قوم کی مجلسوں میں دکھائی نہیں دیتے اورلوگ آپ پرالزام لگارہے ہیں کہ آپ ان کے باپ دادا میں عیب نکالتے ہیں۔رسول اللہؐ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں،تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔آپؐ کی بات ختم ہوتے ہی حضرت ابوبکرؓ مسلمان ہوگئے۔آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے واپس ہوئے اورآپؐ حضرت ابوبکرؓ کے اسلام لانے پر جتنے خوش تھے،مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان کوئی شخص کسی بات سے اتنا خوش نہ تھا۔حضرت ابوبکرؓ وہاں سے حضرت عثمان بن عفانؓ،حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ،حضرت زبیر بن عوامؓ اورحضرت سعد بن وقاصؓ کے پاس (دعوت دینے کے لیے) تشریف لے گئے۔ یہ حضرات بھی مسلمان ہوگئے۔دوسرے روز حضرت ابوبکرؓ رسول اللہؐ کے پاس حضرت عثمان بن مظعونؓ،

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ اور حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ کو لے کر حاضر ہوئے اور یہ سب حضرات بھی مسلمان ہو گئے۔ (دو دن میں حضرت ابوبکرؓ کی دعوت سے نو حضرات نے اسلام قبول کیا) (البدایۃ والنہایۃ)

فتح مکہ کے دن حضرت ابوبکرؓ اپنے والد ابوقحافہ کا ہاتھ پکڑ کر آپؐ کی خدمت میں لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے سینۂ مبارک پر ہاتھ پھیر کر ارشاد فرمایا: آپ مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ ابوقحافہ مسلمان ہو گئے۔ (مسند احمد)

حضرت ابوبکرؓ کی والدہ کے ایمان لانے کا واقعہ نہایت ایمان افروز ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے:

''ایک روز رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ دارارقم سے نکل کر مسجد حرام تشریف لے گئے۔ وہاں یکا یک حضرت ابوبکرؓ نے تقریر شروع کر دی اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح حرم میں کسی نے علی الاعلان دعوت اسلام دی ہو۔ مشرکین یہ تقریر سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ پر ٹوٹ پڑے اور ان کو گرا کر پاؤں سے روندا اور عتبہ بن ربیعہ نے منہ پر جوتے مارے۔ ان کے قبیلے بنوتیم کے لوگ آگے بڑھے اور ان کو چھڑا کر لے گئے۔ ان کی بچنے کی امید نہیں تھی۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو ہوش آیا تو پہلا سوال یہ تھا کہ رسول اللہؐ کا کیا حال ہے؟ اس پر بنوتیم نے ان کو برا بھلا کہا اور ملامت کرتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔ ماں بیٹے جب تنہا رہ گئے تو والدہ سے پھر وہی سوال کیا: انہوں نے کہا: بخدا مجھے تمہارے دوست کا کچھ حال معلوم نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے والدہ سے کہا: عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب سے جا کر پوچھو۔ وہ اس وقت مسلمان ہو چکی تھیں، مگر اسلام چھپا رکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی والدہ جا کر ان سے ملیں تو وہ خود حضرت ابوبکرؓ کے پاس آ گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھ کر وہ چیخ اٹھیں کہ خدا کی قسم! جن لوگوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ کافر اور فاسق ہیں اور میں امید رکھتی ہوں کہ اللہ ان سے تمہارا انتقام لے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: رسول اللہؐ کا کیا حال ہے۔ انھوں نے جواب دیا:

حضورؐ بالکل خیریت سے ہیں۔ابوبکرؓ نے پوچھا: کہاں ہیں؟ بتایا: دارارقم میں ۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: واللہ میں نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک ان کے پاس نہ پہنچ جاؤں۔ کچھ دیر بعد ان کو سہارا دے کر لے گئیں ۔رسول اللہؐ پر ان کا حال دیکھ کر رقت طاری ہوگئی۔آپؐ ان پر جھکے اور چوم لیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہے ،سوائے اس تکلیف کے جو اس فاسق نے میرے منہ پر جوتے برسا کر پہنچائی۔ یہ میری ماں بیٹے کے ساتھ حاضر ہیں۔آپ بابرکت ہیں۔ان کو اللہ کی طرف دعوت دیجیے اور دعا فرمایئے کہ اللہ ان کو آگ سے بچالے۔ چنانچہ حضورؐ نے ان کے لیے دعا کی اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دی اور وہ مسلمان ہوگئیں۔''

(البدایۃ والنہایۃ، بحوالہ سیرت سرور عالم، جلد دوم، ص ۵۴۵)

حضرت ابوبکرؓ کی دعوتی کوششوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔آپ ایک پر جوش داعی بن کر آخر وقت تک اسلام کی دعوت اور راہ خدا میں جہاد میں مشغول رہے۔

۲-حضرت ابوذر غفاریؓ

صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بہت اہم ہے۔ان کا قبیلہ عرب میں رہ زنی کے لیے مشہور تھا۔خود حضرت ابوذرؓ نہایت دلیر اور جرأت مند تھے۔لیکن انہوں نے رہ زنی ترک کردی اور حق کی تلاش میں لگ گئے۔

انھوں نے حق کی تلاش میں اپنے طور پر خدا پرستی اختیار کی۔ چنانچہ ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بہت دل چسپ اور سبق آموز ہے۔جب انھیں پتہ چلا کہ مکہ میں کوئی شخص لاالٰہ الا اللہ کہتا ہے تو انھوں نے پہلے اپنے بھائی کو تحقیق کے لیے بھیجا۔اس کے بعد ان کی زبانی تفصیلات سن کر تسلی نہیں ہوئی، تو خود مکہ آئے۔ان کی حضرت علیؓ سے اتفاقیہ ملاقات ہوئی۔حضرت علیؓ کو ان کے سفر کا مقصد معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور رازداری کے ساتھ انھیں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! میرے سامنے اسلام پیش

کیجیے۔ آپؐ نے اسلام پیش کیا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اسی وقت ایمان لے آئے۔ کچھ دن مکہ میں قیام کرنے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے ان کو ان کے گھر واپس بھیجتے ہوئے فرمایا: میں عنقریب یثرب ہجرت کرنے والا ہوں۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو۔ شاید اللہ ان کو فائدہ بخشے اور اس معاملے میں ہمیں بھی اجر ملے۔ انھوں نے آپؐ کے حسب ارشاد روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ اپنے بھائی انیس سے ملے، ان کو دعوت دی، انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں سے دونوں تیسرے بھائی امنا کے پاس پہنچے اور اس کو دعوت دی تو وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد تینوں بھائی وطن پہنچے اور دعوت حق میں اپنا وقت لگا دیا۔ نصف قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا اور نصف ہجرت کے بعد مسلمان ہوا۔ (صحابہؓ کا قبول اسلام، صفحہ ۵۱، ۵۲)

۳۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ

رسول اکرم ﷺ نے بیعت عقبہ کے بعد حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ میں دعوت اور تربیت کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ حضرت اسعد بن زرارہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ کو قبیلۂ بنو عبدالاشہل اور بنوظفر کے محلّوں میں لے گئے۔ ایک جگہ بیٹھ کر اسلام قبول کر چکے لوگوں سے وہ بات چیت کر رہے تھے۔ حضرت سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ دونوں اپنی قوم بنوعبدالاشہل کے سردار تھے۔ دونوں مشرک تھے اور اپنے مذہب پر قائم تھے۔ ان دونوں نے جب حضرت مصعبؓ کے بارے میں سنا تو حضرت سعد بن معاذؓ نے حضرت اسیدؓ کو بھیجا اور تاکید کی کہ انھیں سمجھا دیں کہ ہمارے محلّوں میں آ کر ہمارے کم زوروں کو نہ بہکائیں۔ آئندہ سے یہاں نہ آئیں۔ چنانچہ حضرت اسید بن حضیرؓ اپنا نیزہ لے کر ان دونوں کے پاس گئے۔ جب حضرت اسعدؓ نے اسید کو آتے دیکھا تو حضرت مصعبؓ سے کہا: یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ تم ان کے ساتھ اچھی طرح سے بات کرنا۔ حضرت اسیدؓ نے پہنچ کر ان دونوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور دھمکی دی کہ اگر جان پیاری ہے تو یہاں سے چلے جائیں۔ حضرت مصعبؓ نے پوری بات سنی اور نرمی سے کہا: کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ ذرا بیٹھ جائیں اور ہماری کچھ باتیں سن لیں، پسند آئیں تو ٹھیک ہے، اگر پسند نہ

آئے تو ہم آپ کی بات پر عمل کریں گے۔ حضرت اسیدؓ نے کہا: تم نے انصاف کی بات کہی ہے۔ چنانچہ نیزہ زمین میں گاڑ کر ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے اسلام کا تعارف کرایا اور انھیں قرآن مجید کی آیات سنائیں۔ حضرت اسیدؓ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ انھیں اسلام کا تعارف اور قرآن مجید پسند آیا۔ انھوں نے کہا: یہ دین اسلام کتنا اچھا اور خوب صورت ہے۔ تم اسلام میں شامل ہونا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو۔ انھیں بتایا گیا کہ غسل کر کے پاک ہو جائیں۔ پھر کلمۂ شہادت ادا کرنا ہے۔ حضرت اسیدؓ نے یہ سب کر کے کہا: میرے پیچھے ایک اور آدمی ہے۔ اگر اس نے تم دونوں کی بات مان لی تو قوم کا کوئی آدمی پیچھے نہیں رہے گا۔ میں اسے بھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ وہ سعد بن معاذؓ تھے۔ چنانچہ وہ ایک ترکیب سے حضرت سعدؓ کو بھیجتے ہیں۔ وہاں جا کر دیکھتے ہیں کہ حضرت اسعدؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ دونوں اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ غصّے سے آگ بگولہ ہو کر دونوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ ان کو آتا دیکھ کر حضرت اسیدؓ نے پہلے ہی حضرت مصعبؓ کو سمجھا دیا تھا کہ یہ ایک بڑے آدمی ہیں۔ اگر انھوں نے بات مان لی تو پورا قبیلہ اسلام قبول کر لے گا۔ حضرت مصعبؓ نے وہی ترکیب استعمال کی اور حضرت سعد سے کہا: آپ ذرا بیٹھ جائیں۔ ہماری باتیں سن لیں۔ پسند آئیں تو ٹھیک ورنہ ہم لوگ چلے جائیں گے۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے نیزہ زمین میں گاڑا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے اسلام کا تعارف کرایا اور سورۂ الزخرف کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی۔ اس کے ختم ہوتے ہی حضرت سعد بن معاذؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنا نیزہ لے کر قوم کی مجلس کی طرف واپس گئے اور اپنی قوم کے پاس کھڑے ہو کر کہا: اے بنو عبدالاشہل! تم مجھے اپنے میں کیسا آدمی سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم میں سے سب سے اچھی طبیعت کے مالک ہیں۔ حضرت سعد نے کہا: تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے، جب تک تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔ شام تک قبیلے کے تمام مرد و عورت مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت مصعبؓ کے لیے ایک گھر مخصوص کر دیا گیا، تاکہ دعوت کا کام کرتے رہیں۔ چنانچہ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ انصار کے ہر محلّے میں کچھ نہ کچھ مرد اور عورتیں مسلمان ہو گئے۔ مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کا چرچا پھیل گیا۔ ابن سعد لکھتے ہیں:

''مصعبؓ انصار کے گھروں اور خاندانوں میں جا کر ان کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن سناتے تھے۔ چنانچہ ایک دو آدمی مسلمان ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اسلام بالکل ظاہر ہو گیا اور انصار کے تمام گھروں اور بالائی حصوں میں پھیل گیا۔''

(طبقات ابن سعد، ۳/ ۸۳)

۴۔ حضرت طفیل بن عمر ودوسیؓ

حضرت طفیل بن عمر ودوسیؓ قبیلۂ دوس کے سردار تھے۔ وہ بہت معزز اور سمجھ دار تھے۔ مکہ آیا جایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ مکہ گئے تو قریش کے چند آدمی ان کے پاس آئے اور ان سے کہا: اے طفیل! آپ ہمارے شہر میں آئے ہیں۔ یہ آدمی جو ہمارے درمیان رہتا ہے، اس نے ہمیں بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے، ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ اس کی بات تو جادو کا اثر رکھتی ہے۔ یہ باپ بیٹے، بھائی بھائی اور شوہر بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہمیں جو پریشانیاں آ گئی ہیں کہیں آپ پر اور آپ کی قوم پر نہ آ جائے۔ لہٰذا آپ نہ تو اس سے بات کریں اور نہ اس کی کوئی بات سنیں۔ حضرت طفیلؓ کہتے ہیں کہ احتیاطاً میں مسجد کو جانے لگا تو کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں بالا ارادہ آپؐ کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے۔ اس کے بعد مسجد میں گیا تو دیکھا کہ حضورؐ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آپؐ کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اس ساری احتیاط کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے حضورؐ کے بعض الفاظ سنا ہی دیے۔ یہ کلام بہت اچھا محسوس ہوا۔ میں نے دل میں کہا میں ایک سمجھ دار اور شاعر آدمی ہوں۔ اچھے اور برے کلام میں تمیز کر لیتا ہوں۔ اس میں کیا حرج ہے کہ میں ان کی بات سنوں۔ اگر اچھی ہوئی تو قبول کر لوں گا اور اگر بری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ پھر میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ اپنی بات میرے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ حضورؐ نے میرے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ مجھے بہت اچھا لگا چنانچہ میں کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے۔ میں ان کے پاس واپس جا کر انھیں اسلام کی دعوت دوں گا۔

اپنے قبیلے میں جا کر حضرت طفیلؓ نے پہلے والد اور پھر اپنی بیوی کو اسلام پیش کیا۔ وہ دونوں اسلام لے آئے۔ اس کے بعد انھوں نے قبیلۂ دوس کو اسلام کی دعوت دی، لیکن وہ انکار کرتے رہے۔ آخر میں مکہ پہنچ کر وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنے قبیلے کے انکارِ دعوت کی تفصیل بتائی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپؐ قبیلۂ دوس کے لیے بددعا کریں کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ آپؐ نے بددعا کرنے کے بجائے ان کے لیے دعا فرمائی: ''اے اللہ! دوس کو ہدایت دے دے۔'' آپؐ نے تین بار یہ دعا فرمائی۔ پھر حضرت طفیلؓ کو ہدایت فرمائی: ''اپنی قوم میں واپس جاؤ اور ان کو دعوت دیتے رہو لیکن ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔''

چنانچہ حضرت طفیلؓ واپس قبیلے میں چلے گئے اور قبیلے والوں کو دعوت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور اکرمؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور بدر، احد اور خندق کے غزوات بھی ہو گئے۔ آخر کار قبیلۂ دوس کے ستر یا اسّی گھرانے دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔

(صحابہ کرامؓ کا قبول اسلام، صفحہ ۹۶۔۹۸)

۵۔ حضرت ضمام بن ثعلبہؓ

حضرت ضمام بن ثعلبہؓ کا قبول اسلام اور دعوت دینے کا واقعہ نہایت ایمان افروز ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبیلۂ بنو سعد بن بکر نے حضرت ضمامؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے مدینہ پہنچ کر مسجد کے دروازے پر اپنا اونٹ بٹھایا اور مسجد میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضورؐ صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ضمامؓ آ کر حضور اکرمؐ اور صحابہ اکرامؓ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پوچھا: آپ لوگوں میں سے کون ابن عبدالمطلب ہے؟

آپؐ نے فرمایا کہ میں ابن عبدالمطلب ہوں۔

انھوں نے کہا: کیا آپؐ محمد ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

انھوں نے کہا: اے ابن عبدالمطلب! میں آپ سے کچھ پوچھوں گا اور پوچھنے میں ذرا

سختی کروں گا۔ آپ ناراض نہ ہوئیے گا۔

آپؐ نے فرمایا: نہیں، میں ناراض نہیں ہوں گا، تم جو چاہو پوچھو۔ انھوں نے کہا: میں آپؐ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، جو آپؐ کا معبود ہے اور آپؐ سے پہلے والوں کا اور آپؐ کے بعد آنے والوں کا بھی۔ کیا اللہ نے آپؐ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! یہی بات ہے۔''

انھوں نے کہا: ''میں آپؐ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپؐ کا معبود ہے اور آپؐ سے پہلے والوں کا اور آپؐ کے بعد آنے والوں کا بھی۔ کیا اللہ نے آپؐ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ آپؐ ہمیں اس بات کا حکم دیں کہ ہم صرف اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کیا کرتے تھے۔''

آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! یہی بات ہے۔''

انھوں نے کہا: ''میں آپؐ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپؐ کا معبود ہے اور آپؐ سے پہلے والوں کا اور آپؐ کے بعد آنے والوں کا بھی۔ کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا کہ ہم روزانہ پانچ نمازیں پڑھیں؟''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں۔''

پھر وہ زکوٰۃ، روزے، حج اور اسلام کے دیگر فرائض کے بارے میں پوچھتے گئے اور ہر دفعہ اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتے۔ جب ان سوالات سے فارغ ہو گئے تو کہا: ''**اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد اعبده و رسوله**، اور میں ان تمام فرائض کو ادا کروں گا جن کا آپؐ نے حکم دیا ہے اور جن باتوں سے آپؐ نے روکا ہے ان سے بچوں گا اور میں اس میں (اپنی طرف سے) کمی یا زیادتی نہیں کروں گا۔ پھر اپنے اونٹ کی طرف واپس چل پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر دو زلفوں والے اس آدمی نے سچ کہا ہے تو یہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔''

چنانچہ انھوں نے اپنے اونٹ کے پاس آ کر اس کی رسی کو کھولا اور واپس چل دیے۔ جب اپنی قوم میں پہنچے تو سب ان کے پاس جمع ہو گئے۔ سب سے پہلے انھوں نے کہا: ''لات اور عزیٰ کا برا ہو۔''

لوگوں نے کہا: ''اے ضمام! خاموش رہو، ایسا نہ ہو کہ تم اس طرح کہنے سے برص یا کوڑھ یا پاگل پن میں مبتلا ہو جاؤ۔''

انھوں نے کہا: ''تمہارا ناس ہو، یہ لات اور عزیٰ، اللہ کی قسم! نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اللہ نے اپنا رسول بھیجا ہے اور ان پر اپنی کتاب اتاری ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کے ذریعہ اس شرک سے نکال دیا ہے جس میں ہم مبتلا تھے۔''

پھر کلمۂ شہادت پڑھ کر سنایا: ''اشھد ان لاالہ الا اللہ واشھدان محمد اعبدہ ورسولہ اور انھوں نے تمہیں جن کاموں کا حکم دیا ہے اور جن کاموں سے روکا ہے ان تمام احکام کو لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔''

راوی کہتے ہیں کہ شام ہونے سے پہلے ہی اس آبادی کا ہر مرد و عورت مسلمان ہو چکا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے: ''حضرت ضمام بن ثعلبہؓ سے زیادہ بہتر ہم نے کسی قوم کا نمائندہ نہیں پایا۔'' (البدایۃ والنہایۃ ۶۰/۵)

۶۔ حضرت عمرو بن مرّہ الجہنیؓ

حضرت عمرو بن مرہ جہنیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: عمرو بن مرّہ! میں اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں انھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور میں ان کو حکم دیتا ہوں کہ وہ خون کی حفاظت کریں (کسی کو ناحق قتل نہ کریں)، صلہ رحمی کریں، ایک اللہ کی عبادت کریں، بتوں کو چھوڑ دیں، بیت اللہ کا حج کریں اور بارہ مہینوں میں سے ایک ماہ رمضان میں روزے رکھیں۔ جو ان باتوں کو مان لے گا اسے جنت ملے گی اور جو نہیں مانے گا اس کے لیے جہنم ہوگی۔ عمرو! اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ وہ تمہیں جہنم کی ہولناکیوں سے امن عطا فرمائے گا۔ حضرت عمروؓ نے عرض کیا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آپ جو حلال وحرام لے کر آئے ہیں میں اس سب پر ایمان لایا، اگرچہ یہ بات بہت سی قوموں کو ناگوار گزرے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا: عمرو! تمہیں مرحبا ہو۔

پھر حضرت عمروؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپ مجھے میری قوم کی طرف بھیج دیں، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر بھی میرے ذریعہ سے فضل فرمادیں، جیسے آپؐ کے ذریعہ سے مجھ پر فضل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے بھیجا اور یہ ہدایات دیں کہ نرمی سے پیش آنا، صحیح اور سیدھی بات کہنا، سخت کلامی اور بدخلقی سے پیش نہ آنا، تکبر اور حسد نہ کرنا۔ میں اپنی قوم کے پاس آیا اور میں نے کہا: بنی رفاعہ! جہینہ کے لوگو! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا قاصد ہوں۔ میں تمہیں جنت کی دعوت دیتا ہوں اور تم کو جہنم سے ڈراتا ہوں اور میں تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ تم خون کی حفاظت کرو، یعنی کسی کو ناحق قتل نہ کرو، صلہ رحمی کرو، ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، بتوں کو چھوڑ دو، بیت اللہ کا حج کرو اور بارہ مہینوں میں سے ایک ماہ رمضان میں روزے رکھو۔ جو ان باتوں کو مان لے گا اسے جنت ملے گی اور جو نہیں مانے گا اس کے لیے دوزخ ہوگی۔ قبیلہ جہینہ والو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں عربوں میں سے بہترین قبیلہ بنایا ہے اور جو بری باتیں عرب کے دوسرے قبیلوں کو اچھی لگتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی تمہارے دلوں میں ان کی نفرت ڈالی ہوئی تھی، مثلاً دوسرے قبیلہ والے دو بہنوں سے اکٹھی شادی کر لیتے تھے اور اپنے باپ کی بیوی سے شادی کر لیتے تھے اور ادب وعظمت والے مہینے میں جنگ کر لیتے تھے (اور تم یہ غلط کام زمانۂ جاہلیت میں بھی نہیں کرتے تھے) لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بھیجے ہوئے رسول کی بات مان لو جس کا تعلق بنی لوی بن غالب قبیلہ سے ہے تو تم دنیا کی شرافت اور آخرت کی عزت پالو گے۔ تم ان کی بات قبول کرنے میں جلدی کرو تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں سے (اسلام میں پہل کرنے کی) فضیلت حاصل ہوگی۔ چنانچہ ان کی دعوت پر ایک آدمی کے علاوہ ساری قوم مسلمان ہوگئی۔

(طبرانی، مجمع الزوائد، بحوالہ منتخب احادیث، صفحہ ۱۴۷۔۱۵۷)

دعوت کا کام

موانع ومشکلات اوران کا حل

دنیا کا کوئی کام موانع اور مشکلات کے بغیر ہی پورا ہوجائے، یہ ممکن نہیں ہے۔انسان جب کوئی کام کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے تو اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔کام بڑا ہو، دوررس نتائج کا حامل ہو، اثرات بڑے رکھتا ہوتو پھر مشکلات بھی زیادہ پیش آسکتی ہیں، مثلاً ایک جھونپڑی تیار کرنا ہے، اس کے لیے کچھ مشکلات ہوسکتی ہیں، لیکن اگر ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرنا ہے تو اس کے لیے غور کیجیے، کتنے صبر آزما مراحل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے؟

دعوت کا کام انسانوں تک اللہ کا پیغام، اس کی رہ نمائی اور اس کی تعلیمات کو پہنچانے کا کام ہے۔جن انسانوں میں یہ کام کرنا ہوتا ہے وہ ایک طرح کے لوگ نہیں ہوتے۔مختلف خاندانی پس منظر، سماجی حیثیت اور صلاحیتوں کے ہوتے ہیں۔لیکن دعوت ان سب کی یکساں فطرت ہے۔دعوت ان کی ضرورت ہے۔یقیناً راہ دعوت کا موانع اور مشکلات کے بغیر تصور کرنا محال ہے لیکن موانع اور مشکلات کی وجہ سے اس راہ کا سفر ترک کرنا یا سفر کرتے کرتے منزل مقصود پر پہنچنے سے بہت پہلے ہی واپسی بلکہ پسپائی اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

دعوت کے اس خاص پہلو کو ذہن میں رکھ کر جب ہم انبیاء کی دعوتی تاریخ کے مستند اور اصل ماخذ قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو دنگ رہ جاتے ہیں۔جن مشکلات اور موانع کا انبیاء نے سامنا کیا اس کا تصور بھی ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔اس کے باوجود انبیاء مستقل مزاجی،

ثابت قدمی اور مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلسل دعوت کا کام انجام دیتے رہے۔

دعوت کا کام کو کرتے ہوئے موانع ومشکلات کی اصل حیثیت کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ

۱- وہ داعیوں کی تربیت کے لیے پیش آرہے ہوں۔

۲- ابتدائی مشکلات کے بعد دعوت کے فروغ کے لیے معاون ثابت ہوں۔

۳- اللہ تعالیٰ داعیان کا امتحان لے رہا ہو، مخلص اور وفادار لوگ کتنے ہیں؟ وہ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہیں یا نہیں؟

راہ دعوت کبھی پھولوں کا سیج نہیں رہی۔ وہ کانٹوں سے بھری ہوئی راہ ہے۔ لیکن یہی وہ راہ ہے جس کے مسافر کے لیے اللہ کی بے پایاں نصرت اور تائید شامل حال ہوکر کام یاب بناتی ہے۔ اللہ تعالیٰ داعیوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ وہ کبھی بے یار ومددگار نہیں ہوتے۔

موانع اور مشکلات داخلی اور خارجی ہیں۔ پھر آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض کا تعلق مسلمانوں سے ہے اور بعض کا تعلق برادران وطن سے ہے۔ بعض موانع کا تعلق ماضی سے رہا ہے، لیکن ان کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، ابھی تک جاری ہے، بعض حال سے متعلق ہیں، لیکن مستقبل پر اثر انداز ہونے والے ہیں۔

بعض موانع جو مسلمانوں سے متعلق ہیں ان کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

۱- مسلمانوں کا آزادی کے بعد ایک عرصہ تک مزاج یہ بنا رہا کہ وہ اس ملک کے حاکم رہے ہیں۔ ان کے آبا نے آٹھ سو (۸۰۰) برس تک اس ملک پر حکومت کی ہے۔ جس کے تاریخی آثار اس ملک کے مختلف حصوں میں اب بھی پائے جاتے ہیں۔

مسلمان اس ملک میں صدیوں تک حکم راں رہے۔ اس کے بعد وہ ہندوؤں کے ساتھ انگریزوں کے غلام رہے۔ آزادی کی جدوجہد میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ کی دردناک داستان کے اصل ہیرو تو دراصل مسلمان ہی ہیں۔ انگریزوں نے اپنا سب سے بڑا دشمن مسلمان ہی کو سمجھا۔

لیکن آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو سکون واطمینان سے رہ کر دوسروں کے ساتھ

مل جل کر اپنے ملک کی تعمیر وترقی کا جو خواب انھوں نے دیکھا وہ شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا۔ یک طرفہ فسادات، جو ہزاروں کی تعداد میں مسلسل ہوتے رہے، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی معاشی خستہ حالی میں اضافہ ہوا اور پس ماندگی کو اور بڑھا دیا۔ تقسیم ملک کا غلط الزام بھی مسلمانوں پر لگایا گیا۔ تعلیمی اور سماجی اعتبار سے ان کی پس ماندگی بڑھتی گئی۔ مسلمان سمجھتے رہے کہ اس کے لیے حکم راں طبقہ اور اکثریت ذمہ دار ہے۔ ان کی اپنی داخلی کم زوریاں بھی تھیں۔ ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اکثریت سے ذہنی، فکری اور عملی طور پر نہ صرف دوری کا شکار ہوئے، بلکہ دونوں کے درمیان اجنبیت، بیگانگی، بے اعتمادی، دوری اور تلخی بڑھتی گئی۔ فرقہ پرست اور فسطائی عناصر کی کوششیں مزید صورت حال کو خراب کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کی آپس میں ایک دوسرے سے سیاسی اور فرقہ وارانہ کش مکش نے صورت حال کو مزید خراب کر دیا۔ دعوت تو تمام انسانوں کو مدعو بناتی ہے۔ نفرت، دوری اور بے اعتمادی کی فضا دعوت کے لیے زہر ہے۔ ادھر کچھ عرصہ سے ہندوتو اتحریک نے پوری ملکی فضا کو شدید نفرت، تعصب اور فرقہ وارانہ منافرت سے بھر دیا ہے۔ ملک کا سماجی تانا بانا بکھر گیا ہے۔ اکثریت اور اقلیت دونوں کو باہم ایک دوسرے کے حریف اور متصادم گروپ کے طور پر ابھارا جا رہا ہے۔ میڈیا پوری قوت سے مسلمانوں کو ملک اور اکثریت کا دشمن ثابت کرنے پر تُلا ہوا ہے۔

ایسی صورت حال میں دعوت کے مفاد کے لیے مسلمانوں کو داعیانہ ذہن وفکر اور سیرت وکردار کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے۔ دعوت کے بغیر ان حالات کو بدلنے کی کوئی دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔ مسلمان کوئی قوم اور محض ایک اقلیت نہیں ہیں، وہ اللہ کے دین کے داعی اور سارے انسانوں کے خیر خواہ ہیں۔ وہ تمام انسانوں سے محبت کریں اور کسی سے نفرت نہ کریں۔ سب کو مدعو سمجھیں۔ داعی اور مدعو کا رشتہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے۔ اس رشتے کو نبھانے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کا اب وقت آ گیا ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان غلطی نہ کریں۔ حقائق کو سامنے رکھیں۔ اس اہم حقیقت کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ برادران وطن (مدعوئین) کی بہت بڑی اکثریت آج بھی مسلمانوں کے شانہ بہ شانہ کھڑی ہے۔ ان کی اکثریت مسلمانوں سے

محبت کرتی ہے۔ ان کے مسائل کے سلسلے میں ہمدردانہ ذہن وفکر کی حامل ہے۔ مسلمانوں کے لیے مختلف پلیٹ فارمس سے آواز بلند کرتی ہے۔ اس ملک کی اکثریت کی ایک قلیل اقلیت اسلاموفوبیا کے زہریلے پروپیگنڈہ سے متاثر ہے لیکن یہ ان کا مستقل ذہن نہیں ہے۔ ان کے سامنے جب صحیح باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ تسلیم کرتے ہیں۔ اب مسلمانوں کے پاس دعوت کا کام کرنے اور اس راہ میں اپنی صلاحیتوں اور اپنے وسائل کو جھونک دینے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں ہے۔ حالات تو بتا رہے ہیں کہ دعوت دیں ورنہ ہلاکت کا سامنا کریں (خدانہ کرے ایسا ہو)۔ آج بھی دعوت اس ملک کی اکثریت کے ذہن وقلب کو بدل کر رکھ دے گی۔ دعوت انسان کے قلب کو مسخر کرتی ہے۔ یہ طاقت مسلمانوں کو سیاسی، معاشی اور تعلیمی کوششوں کے ذریعہ حاصل نہیں ہوسکتی۔ ان کوششوں کی اہمیت اور قدر کو کم نہیں کیا جارہا ہے لیکن اصل تدبیر دعوت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ (المائدۃ:۶۷)

''اے رسولؐ! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلے میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔''

اس آیت کا ایک ایک لفظ ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے دعوتِ غور وفکر اور پیام عمل دے رہا ہے۔ آیت کے آخری حصے میں مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو اہم باتیں بتائی گئی ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔

۲- یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلے میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے کیا تھا۔ مسلمانوں پر اس کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ بڑی غلط فہمی ہے۔ اسی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی لکھتے ہیں:

''ایسی حفاظت اگرچہ رسولوں کے ساتھ خاص ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کی رسالت کے صدقے مسلمانوں کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا گیا اور ان کے لیے ایک مستقل قانون بنادیا گیا، جس کی طرف اشارہ اس آیت کے آخری حصے میں ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ

''بے شک اللہ کافروں کی قوم کو کام یابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔''

یعنی اس کا قانون یہ ہے کہ اگر ایک طرف مسلمانوں کا ایک ایسا گروہ ہو جو تدبیر میں بھی اور اطاعت و عمل میں بھی اسلام کی پوری تصویر ہو اور پھر وہ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اور شہادت حق (علی الناس) کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنے ملی دفاع کے لیے اٹھتا ہے اور اس کے مقابلے میں ایک ایسا کافر گروہ ہو جو ان مسلمانوں کو صرف اس لیے مٹا دینا چاہتا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی بات کیوں کرتے ہیں؟ اور ان کا گناہ صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کے لیے جینا اور مرنا چاہتے ہیں اور اسی کے نام کی عظمت اور اسی کے بندوں کی حفاظت کے لیے سر ہتھیلی پر رکھ آئے ہیں، ایسی صورت میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ ۳۱۳ بھی ہوں تو ایک ہزار کے سامنے بھی سرنگوں نہیں ہوتے اور اللہ انھیں ہمیشہ فتح اور کام رانی سے نوازتا ہے۔''

(تفسیر روح القرآن جلد سوم، صفحہ ۲۴۲، ۲۴۳)

اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان اگر دعوت کے فریضہ کو ادا کرنے لگیں گے اور اس راہ میں وہ مخالفین کی شدید مخالفت اور مزاحمت کا شکار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک طرف تو ان کی نصرت فرمائے گا، دوسری طرف مخالفین کی تدبیروں اور ان کے منصوبوں کو ناکام کردے گا۔

سب سے پہلے برادران وطن کے تعلق سے مسلمانوں کی عمومی سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ الحمدللہ مسلمانوں میں صحیح شعور رکھنے والوں کی ایک اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے

لیکن پوری ملت کی سوچ قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ہونی چاہیے۔ برادران وطن کو دعوت کے تعارف، ان پر اس کی حجّت تمام کرنے اور اس کے تعلق سے ان کے رویے اور فیصلوں کے مرحلے سے بہت پہلے کافر اور مشرک قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ مسلمان اپنی طرف سے انھیں جہنم میں بھیج کر اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے۔ کیوں کہ ان کے سامنے تو مسلمانوں نے اسلام کا سیدھا سادہ تعارف تک نہیں کرایا ہے۔ باقی رہی ان کی عملی زندگیاں تو وہ اسلام کی ترجمان نہیں ہیں، بلکہ مسلمانوں کی غلط ترجمانی اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لیے مسلمان برادران وطن کو اپنا بھائی سمجھیں۔ یہ بات زبانی جمع خرچ کی حد تک نہ ہو، مسلمان واقعی ان کو بھائی سمجھیں۔ پھر ان کا اگلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ وہ ان سے ملاقاتیں، تعارف، دوستی اور مسلسل تعلقات بڑھائیں۔ دوسرا اہم قدم یہ ہونا چاہیے کہ خاندانی سطح پر ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ رکھیں۔ ان دو ابتدائی کاموں کے بے شمار فائدے ہوں گے۔ دعوت کے تعارف کے لیے یہ ابتدائی اقدامات ناگزیر ہیں۔ اس کے آگے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ان کے ساتھ خوشی، غم، بیماری، تقریبات اور پروگراموں میں ملنے جلنے اور آنے جانے، تحفے تحائف کے تبادلے اور بات چیت کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔ اس دوران قرآن کی کوئی آیت، کوئی حدیث اور اسلام کے بارے میں کوئی بات ان سے کہہ دیں۔ وہ ناراض نہیں ہوتے بلکہ خوش ہوتے اور پسند کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ باتیں ان کو بتانے والا کوئی دوسرا آپ کے علاوہ نہیں ہے۔ اخلاق اور روحانیت کی یہ باتیں سن کر برادران وطن محسوس کریں کہ مسلمان ان کے حقیقی خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ مسلمان ان کی فلاح و بہبود کے لیے فکر مند ہیں۔ خدا پرست ہیں اور اسی کی دعوت اپنے ہم وطنوں کو دے رہے ہیں۔ غرض یہ کہ مسلمانوں کی ایک نئی تصویر بنانے کی ضرورت ہے۔

اسی سے جڑا ہوا ایک اور مسئلہ ہے جو فوری توجہ چاہتا ہے۔ الحمد للہ مسلمان اس ملک کے ہمیشہ وفادار رہے ہیں، انھوں نے کبھی اس ملک کو پرایا نہیں سمجھا بلکہ اپنا ملک سمجھا اور اپنی استطاعت بھر اس کی خدمت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک تکثیری سماج (Plural Society) میں وہ دوسرے مذاہب اور دوسرے کلچر سے دور ہیں۔ برادران وطن کو باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام ہی اس کے لیے اصل ذمہ دار ہے۔

ملک اور سماج کے مسائل سے مسلمانوں کو کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ (یہ بات جزوی حد تک درست ہوسکتی ہے لیکن کلی حد تک درست نہیں ہے) ان کے مسائل عیدگاہ، قبرستان، مساجد، وقف اور پرسنل لا کے علاوہ کچھ نہیں۔ ملک کے سنگین مسائل سے ان کو کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ مختلف پلیٹ فارموں پر سنجیدہ مباحث ہوتے رہتے ہیں۔ کانفرنس، جلسے جلوس اور ریلیاں نکلتی ہیں، لیکن ان سب میں مسلمانوں کی شرکت بہت کم ہوتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی امیج بنائی گئی ہے۔ تھوڑا بہت دخل مسلمانوں کی کوتاہی بھی ہے۔ مسلمانوں کے بہت سے قائدین ملکی مسائل میں دل چسپی لیتے ہیں اور اظہار خیال بھی کرتے ہیں۔ سوال کروڑوں کی تعداد میں مسلمانوں کے مجموعی رویے اور طرز عمل کا ہے۔ اگر دعوت کے مفاد کو سامنے رکھیں تو ملکی سماج اور برادران وطن کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہونا اور اپنی آواز بلند کرنا ضروری ہے۔

ایک دوسرا مسئلہ مسلمانوں کے اندر برادران وطن کے متعلق غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا ہے۔ برادران وطن خود حق کی تلاش میں حیران و پریشان بھٹک رہے ہیں۔ وہ سنگین مسائل سے دوچار ہیں۔ لیکن ان کے سامنے ان کا کوئی حل نہیں ہے۔ عام برادران وطن، ان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات، دانش وران اور بااثر لوگ سب حل کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ یہ دعوت ان کے درد کا درماں ہے۔ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے پوری جرأت اور حکمت کے ساتھ ان کے سامنے مسائل کے حل کے لیے دعوت پیش کریں۔ اب تک مسلمانوں نے اس خدائی نسخہ (دعوت) سے فائدہ نہیں اٹھایا ہے۔ ایک بار وہ دعوت کو لے کر کھڑے ہوں۔ ان شاء اللہ بتدریج حالات کی تبدیلی کے وہ چشم دید گواہ ہوں گے۔

برادران وطن کی اکثریت نہ اسلام دشمن ہے نہ مسلم دشمن۔ جو مسلمانوں کے دشمن نہیں ہیں ان کو کیوں دشمن سمجھ کر معاملہ کیا جائے۔ کیا اس طرح کے غلط تصور کے تحت برادران وطن سے معاملات کیے جائیں گے تو اس سے کوئی مسئلہ حل ہوگا یا مسائل میں مزید اضافہ ہی ہوگا؟

ایک رکاوٹ راہ دعوت میں مسلمانوں کا بگڑا ہوا معاشرہ بھی ہے۔ مختلف مواقع پر دعوت کا تعارف کرانے، حضرت محمد ﷺ کی مبارک سیرت کے واقعات پیش کرنے کے بعد برادران وطن بے حد متاثر ہوتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ ان تعلیمات پر عمل کرنے والے لوگ کہاں

ہیں؟ کبھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اتنا بگاڑ ہے۔ پہلے آپ ان کو ٹھیک کیوں نہیں کرتے؟ مسلمانوں کے اخلاقی اور سماجی بگاڑ کے ساتھ ان کی تعلیمی اور معاشی پس ماندگی بھی ایک رکاوٹ ہے۔لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایسے پُرآشوب حالات میں بھی برادران وطن کی سعید روحیں برابر دعوتِ حق قبول کررہی ہیں۔مسلمانوں کی مذکورہ کم زوریاں دعوت حق قبول کرنے میں ان کے لیے رکاوٹ نہیں بن رہی ہیں۔ عام طور پر برادران وطن یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی کم زوریوں کے لیے کہیں نہ کہیں اسلام کی تعلیمات (نعوذ باللہ) ذمہ دار ہیں۔ان کے نزدیک تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بنیاد رکھی اور اس وقت کے حالات میں قرآن مجید لکھا (نعوذ باللہ) آج حالات بہت بدل گئے ہیں، اس لیے اس وقت کی تعلیمات کو جوں کا توں لے کر چلنا پس ماندگی کو دعوت دینا ہے۔اس لیے اسلام کی تعلیمات کو اس دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔دیکھیے کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی؟ اس ضمن میں بعض حقائق پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ آج بھی مسلمان مجموعی حیثیت میں سماجی اور اخلاقی اعتبار سے بہتر مقام پر ہیں۔ خاص طور پر جب ان کا موازنہ دوسروں سے کیا جاتا ہے۔لیکن ان کی معاشی اور تعلیمی پس ماندگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔اس کے اسباب اور عوامل پر گفتگو کا یہاں موقع نہیں ہے۔لیکن ایک بات بالکل واضح رہنی چاہیے کہ آج مسلمانوں کی اس پس ماندگی اور سماجی واخلاقی خرابیوں کے لیے اسلام ذمہ دار نہیں ہے۔

اس ملک میں میڈیا مسلمانوں پر ہمیشہ بہت مہربان رہا ہے۔مسلمانوں کی کوئی خوبی تو اسے کبھی نظر نہیں آتی، البتہ جو کم زوری یا کم زوریاں نظر آتی ہیں تو اسے اس طرح پیش کرتا ہے گویا مسلمانوں کے علاوہ سب اچھے ہی اچھے ہیں۔ ملک میں یہی ایک فرقہ خراب ہے، وہ کوئی خیر، کوئی خوبی اور کوئی اچھائی نہیں رکھتا۔اس کی کم زوریوں اور خرابیوں کے لیے ان کا مذہب ذمہ دار ہے۔

ظاہر ہے ان مسائل کا حل تلاش کرنا اور ان کی پس ماندگی کو دور کرنا آسان نہیں ہے۔ سچر کمیٹی نے اس سلسلے میں اپنی اہم رپورٹ اور سفارشات پیش کی تھیں۔کوئی حکومت مسلمانوں کے تئیں پوری طرح مخلص نہیں ہے۔مسلمان خود اپنے بل بوتے پر طے کرلیں کہ معاشی اور تعلیمی

پس ماندگی کو دور کرنا ہے۔ حکومتوں کے تعاون، اسکیموں اور منصوبوں سے استفادہ ٹھیک ہے، لیکن کسی بھی حکومت (مرکزی ہو کہ ریاستی) پر انحصار نہ کریں۔ ان کوششوں کے ساتھ وہ دعوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے تو ان شاء اللہ ان کے حالات میں تبدیلی آنے لگے گی۔ انھیں خود اپنی پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے سرگرم عمل ہونا پڑے گا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عرب میں اسلام سے پہلے عربوں کی معاشی، تعلیمی اور سماجی واخلاقی حالت کیا تھی؟ اسلام کے آنے کے بعد عرب میں انقلاب برپا ہو گیا، یہ دعوت جہاں جہاں پہنچی وہاں بھی ان قوموں کے حالات بدل گئے۔

دعوت کی کوششوں کی راہ میں ایک رکاوٹ مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی اونچ نیچ یعنی برادری اور ذات پات کے غیر اسلامی تصورات ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ داعی کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے مسلمانوں میں اس کی اصلاح بھی کریں۔ برادران وطن کو بھی بتانا چاہیے کہ برادری واد سے اسلام کا کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اس ملک میں مسلمانوں کے اندر یہ غیر اسلامی طرز عمل دوسرے سماجوں سے آیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعتیں، تنظیمیں اور علما نہ صرف اس کے خلاف ہیں، بلکہ مسلسل اصلاح کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کے مختلف مسالک، جماعتوں اور تنظیموں کے مابین تنگ نظری اور شدت پسندی بھی ایک رکاوٹ ہے۔ بعض موقعوں پر برادران وطن اسلام کی بات سنتے ہی پوچھتے ہیں کہ کون سا اسلام؟ شیعہ اسلام، سنی اسلام، دیوبندی، بریلوی یا سلفی اسلام؟

اس سلسلے میں برادران وطن کے سامنے حقائق کو پیش کرنا چاہیے کہ اسلام قرآن وسنت اور اسوۂ رسول پر قائم ہے۔ جزوی اور فروعی باتوں میں معمولی درجے کے اختلافات ہیں، جو حدود کے اندر ہوتے تو کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیکن ہر گروہ میں کچھ شدت پسند ہوتے ہیں جو معمولی اختلافات کو سنگین بنا کر کفر واسلام کا مسئلہ بنا دیتے ہیں۔ انھیں بتانا چاہیے کہ مسلمانوں کے مسالک، تنظیموں اور جماعتوں میں پچانوے (۹۵) فی صد سے زیادہ باتوں میں اتفاق ہے۔ ہر دن ان سب کے درمیان اشتراک عمل بڑھتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کو خود بھی اس بات کا بہت خیال رکھنا چاہیے کہ نو ہدایت یافتگان کو کبھی اس آزمائش میں نہ ڈالیں کہ وہ کس مسلک، کس تنظیم اور مکتب فکر سے وابستہ ہوں؟ دین مسلک، جماعت یا تنظیم کا نام نہیں ہے۔ اخروی باز پرس مسلکوں

اور جماعتوں کی بنیاد پر نہیں، فرد کی انفرادی وابستگی اور عمل صالح کی بنیاد پر ہوگی۔ دین میں جماعتی زندگی (یعنی اجتماعیت) کی جو اہمیت اور ضرورت بتائی گئی ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ جماعتی تنگ نظری اور تعصب سے بچنا ضروری ہے۔

برادران وطن کے اندر عام طور سے درج ذیل امور کی وجہ سے دعوت کے لیے موانع پائے جاتے ہیں۔ یہ موانع یا رکاوٹیں کوئی مستقل چیز نہیں ہیں، انھیں دور کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس کو دور کرنے کے لیے منصوبہ بند اور منظم انداز میں کوشش کرنا چاہیے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ دعوت دیں یا نہ دیں، یہ باتیں ملک سے ختم نہیں ہوگی تو مسلمانوں کے لیے مشکلات میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ یہ صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں، خود اس ملک کے اتحاد اور تعمیر وترقی کے لیے ناگزیر ہے کہ ان کا خاتمہ ہو۔

۱- برادران وطن کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے غلط فہمیاں اور بدگمانیاں منصوبہ بند اور منظم انداز میں پھیلا دی گئی ہیں۔

۲- فرقہ پرستی، فسطائیت اور تہذیبی جارحیت کے نتیجے میں مسلمانوں اور اقلیتوں کے جان ومال پر حملے کیے جاتے ہیں۔

۳- ہندوتو اتحریک، راشٹرواد، اس کے ساتھ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے (آئی ٹی سیل) اسلاموفوبیا کی ناروا مہم۔

۴- وحدت ادیان، شرک اور مادہ پرستی۔

۵- ملک کا عمومی سماجی اور اخلاقی بگاڑ، جو بڑھتا جارہا ہے، اسے مذاہب اور مذہبی رہ نما روکنے میں ناکام ہیں۔

مذکورہ موانع دور ہونے چاہیے۔ یہ صرف مسلمانوں ہی کے مفاد میں نہیں، بلکہ اس ملک کا عمومی مفاد بھی اس کا تقاضا کرتا ہے۔ ضروری ہے کہ محبت، امن، انسانیت اور بھائی چارہ کی فضا پورے ملک پر چھا جائے۔

جہاں تک برادران وطن کے اندر پائی جانے والی غلط فہمیوں کا معاملہ ہے یہ لگاتار ہونے والے منفی پروپیگنڈے کا نتیجہ ہے۔ لیکن ملک میں برادران وطن کے سامنے صحیح معلومات

پیش کی جائیں تو وہ اپنی غلط معلومات اور غلط فہمیوں پر اصرار نہیں کرتے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی ان کو غلط بتایا گیا تھا۔

فرقہ پرستی، فسطائیت، ہندوتوا تحریک اور اسلاموفوبیا کے سلسلے میں تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کے اندر منفی ردعمل پیدا نہ ہونے پائے۔ ان کو یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بظاہر اس شر کے اندر سے خیر نکالے گا۔ ان موانع اور رکاوٹوں کو مسلمان اپنے لیے کام کے بہترین مواقع سمجھیں۔ ان کے اندر جذبہ اور حوصلہ میں اضافہ ہو۔ ان کی تاریخ بتاتی ہے کہ انتہائی مشکل اور صبر آزما حالات میں استقامت کے ساتھ مسلسل کام کیا گیا ہے تو نہ صرف یہ کہ موانع اور رکاوٹوں پر قابو پا لیا گیا، بلکہ حالات میں تبدیلی بھی واقع ہوئی۔

ملک کے اندر سماجی اور اخلاقی بگاڑ مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں مذہب سے بیزاری، دوری اور عدم دل چسپی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ دعوت اس بگاڑ اور خرابی کا واحد علاج ہے۔

دعوت کی راہ میں بعض اور مشکلات حائل ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

۱- برادران وطن میں مختلف مذاہب کے پیرو شامل ہیں۔ ان مذاہب کا دعوتی نقطۂ نظر سے اب تک جو کچھ مطالعہ کیا گیا ہے وہ ناکافی ہے۔

۲- ملکی سماج اور عام برادران وطن اور ان کے مختلف محروم و پس ماندہ طبقات (مثلاً دلت، او بی سی اور قبائل) سے دوری اور ان سے الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر کرنا۔

۳- مدعوئین کی زبانوں سے ناواقفیت۔ صرف زبان ہی نہیں بلکہ ان کے رجحانات، نفسیات اور مذہبی تصورات کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

۴- عام مسلمانوں کے مروجہ تصور دین میں دعوت دین کو بطور فریضہ کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ وہ دعوت کے متعلق غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔

۵- برادران وطن کے متعلق مسلمانوں میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ دعوت اور مدعوئین کے متعلق ان کا پہلے سے بنا ہوا ذہنی سانچہ دعوت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

۶- مسلمان اس ملک اور اس کے عام باشندگان کی ضرورت نہیں بن سکے۔ عیسائی بھی

اقلیت ہیں، ان کی تعداد محض 2.5 فیصد ہے، لیکن تعلیمی اداروں، اسپتال اور خدمت خلق کی تنظیموں کی وجہ سے وہ ملک کی ضرورت بن گئے ہیں۔

۷- ملک میں دعوت کی تاریخ پر کام ہوا ہے، لیکن ابھی تک صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی دعوتی سرگرمیوں کی تفصیلات پر کسی طرح کا کوئی کام نہیں ہوا ہے۔

برادران وطن کے مذہبی تصورات، ان کی مذہبی کتب اور رسوم ورواج کا اب تک جتنا بھی مطالعہ ہوا ہے وہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے۔ اس کی ضرورت اپنی جگہ برقرار ہے۔ صدیوں سے ساتھ رہ کر بھی مسلمان برادران وطن کے مذہب اور کلچر سے واقف نہیں ہیں۔

مدعو قوم کی اپنی زبان میں دعوت پہنچانا ضروری ہے۔ دوسری زبان میں دعوت کی ترسیل ان کو متاثر نہیں کرتی۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ کو جن قوموں میں بھیجا وہ اس قوم کی زبان سے اچھی طرح واقف تھے۔ یہ واقفیت صرف زبان کی نہیں بلکہ پوری تہذیب اور ان کے پورے تمدن کی ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں عیسائی بھائیوں نے اپنی کوششوں کے ذریعے اس مشکل مسئلہ کو حل کرلیا ہے۔ انھوں نے کافی ریسرچ کی، ادارے قائم کیے، لٹریچر تیار کیا، رسالے شائع کیے اور بولیوں کو زبانوں کا درجہ دے کر بائبل کا ترجمہ شائع کیا۔

راہِ دعوت میں ایک بڑی مشکل، جس کا راست تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ وہ یہ کہ ان کے تصور دین اور اتباع رسولؐ میں دعوت اور اس سے متعلق امور کہیں بھی فٹ نہیں ہوتے۔ ان کا تو خیال یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی اصلاح کرلی جائے گی تو دعوت وتبلیغ کی ضرورت کم ہی پیش آئے گی۔ اصلاح یافتہ اور تربیت یافتہ مسلمانوں کو دیکھ کر غیر مسلم آبادی بڑی تعداد میں اسلام میں خود بخود داخل ہوجائے گی۔

اوپر جن مشکلات کا تذکرہ کیا گیا ہے ان مشکلات کا حل ایک طویل محنت اور لگاتار جدوجہد چاہتا ہے۔ قرآن وسنت سے مسلمانوں کو جوڑنے کی کوشش بڑے پیمانے پر ہونی چاہیے۔ دعوت کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے بھی اسی انداز پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ان سب اہم کاموں کو کرنے کے لیے مسلمانوں کے اندر علماء کرام اور ان کے قائدین کو میدان میں اترنا پڑے گا۔ دینی مدارس میں طلبہ اور طالبات کے لیے دعوتی نصاب متعین کرکے ان کو علمی ونظریاتی

تعلیم دی جانی چاہیے۔ اس کے ساتھ ان کو عملی میدانِ دعوت میں تربیت کے مواقع فراہم کرنے چاہیے۔ نیز ان کاموں کے لیے خطباتِ جمعہ اور ائمہ کا نظام بہت مفید ثابت ہوگا۔ ائمہ حضرات خطبات جمعہ کے ذریعہ مسلمانوں میں دعوت کا شعور پیدا کر سکتے ہیں۔

برادران وطن کی علاقائی زبانوں کے سلسلے میں مسلمانوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ یہ کافروں کی زبانیں ہیں، یہ سوچ غلط ہے۔ زبان تو خیالات کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ زبان کا کوئی مذہب اور مسلک نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے پیغمبر مختلف قوموں میں آئے وہ ان کی زبانیں جانتے تھے۔ زبان محض سادہ سی چیز نہیں ہے، اس کے پیچھے اس قوم کے رجحانات، مذہبی تصورات، نفسیات، تہذیب اور تاریخ کا سرمایہ ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے سب سے اہم مسئلہ دعوت کو مدعو قوم کی زبان میں پہنچانے کے لیے زبان کو سیکھنے کا ہے۔ فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لیے علاقائی زبان سیکھنے میں مسلمان پیچھے نہ رہیں بلکہ ان زبانوں اور اس سے متعلقہ امور میں اچھی صلاحیت پیدا کریں اور اس میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کوشش کے برادران وطن پر مثبت اثرات پڑیں گے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان ان کی زبان کے ماہر ہیں تو بے حد خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور ان کو تعجب بھی ہوتا ہے۔

برادران وطن کے مذاہب جاننے اور سمجھنے سے بھی دعوت کے فریضے کی ادائیگی میں مدد ملے گی۔ یہ اب کوئی مشکل مسئلہ نہیں رہ گیا ہے۔

مذاہب کے تعارف کے سلسلے میں اردو اور بعض ریاستی زبانوں میں اچھا خاصا لٹریچر تیار ہو گیا ہے۔ برابر کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ انٹرنیٹ پر بھی خاصا مواد مل سکتا ہے۔ جس کی مدد سے مذاہب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے دعوتی کام میں فائدہ ہوگا۔ اس زمانے میں مذاہب کا تقابلی مطالعہ باقاعدہ ایک فن بن چکا ہے۔ یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں اس کے شعبے قائم ہیں۔ مسلم طلبہ کی اس شعبہ میں تعلیم اور ریسرچ کے لیے حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ ملک بھر میں جگہ جگہ مذاہب کے مسلم ماہرین بن جائیں تو دعوتی کام میں مزید اضافہ ہوگا۔

ہمارے ملک میں آدی باسی، دلت اور دیگر پس ماندہ طبقات کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ ان سے مسلمانوں کے اچھے تعلقات ہونے چاہیے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی دوستی کو اپنے لیے فخر سمجھتے

ہیں اور خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ان کے مسائل کے حل میں مسلمان گہری دل چسپی لیں۔ ان کی مختلف تقریبات میں شرکت کریں۔ البتہ اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے کہیں بھی شرک اور غیر اخلاقی کام نہ کریں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ فرقہ پرست اور فسطائی عناصر ان ہی طبقات کے افراد کو فسادات میں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ ان طبقات کے بااثر شخصیات اور لیڈروں سے ملاقاتیں کی جائیں۔ ظلم وستم کی شناعت، خدا کی ناراضگی اور آخرت کی باز پرس کے بارے میں بتایا جائے تو وہ بے حد متاثر ہوتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ راہِ دعوت میں مشکلات اور موانع حائل ہیں لیکن انھیں حل کیا جاسکتا ہے۔ ان کی وجہ سے دعوت کا کام روکنا نہیں چاہیے، بلکہ ان موانع کو مواقع سمجھ کر کام کی راہیں نکالنی چاہیے۔

دعوت سے غفلت کے مہلک نتائج

فریضہ دعوتِ دین کو عام طور سے مسلمان بھلا بیٹھے ہیں۔ ہر زمانے میں دعوت کا کام کرنے والی دینی شخصیتیں مسلمانوں میں رہی ہیں لیکن اس کے حوالے سے ملت کا مجموعی طرز عمل اور رویہ افسوس ناک رہا ہے۔ دعوت سے غفلت کے مہلک نتائج آج بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ مسلمان اب بھی خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر قرآن وسنت کی رہ نمائی پر عمل کریں۔ محدود تصور دین پر عمل کر کے دین داری اور تقویٰ پر قناعت کرنے کے بجائے قرآنی تصور دین کے عملی تقاضوں کو ادا کریں۔ یہ تقاضے انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کے ہیں۔ ان میں سب سے اہم تقاضا دعوت دین ہے۔ اس بارے میں اب مزید غفلت اور زیادہ مہلک ثابت ہوگی۔

دعوت سے غفلت کے دنیوی نتائج بھی مہلک ہیں لیکن اخروی نتیجہ زیادہ خوف ناک ہے۔ آج اس سے غفلت کے نتیجے میں دنیا میں جو گم راہی پھیل رہی ہے، انسانیت تباہ ہو رہی ہے اس کی ذمہ داری سے مسلمان انکار نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے میں آخرت میں باز پرس بھی سخت ہوگی۔

غفلت کے مہلک نتائج داخلی اور خارجی دونوں طرح کے ہیں۔ اس کا اثر حال اور مستقبل دونوں سے متعلق ہے۔

دنیا کا عام اصول یہی ہے کہ اگر کسی فرد یا گروہ کو کوئی خاص ڈیوٹی سونپی جائے، اس سلسلے میں ان کی ذمہ داری اور فرائض بھی بتائے جائیں۔ اس کے باوجود وہ فرد یا گروہ ڈیوٹی ادا نہ کرے تو اس کے لیے انھیں کوئی انعام ملنا تو دور کی بات ہے، بلکہ وہ سزا کے مستحق ہوں گے۔ وہ فرد یا گروہ اپنی ذمہ داری پر خواہ کتنا ہی فخر کیوں نہ کرے، بار بار اس کا اظہار بھی کرتا رہے، جب

تک وہ ذمہ داری ادا نہ کرے اور فرائض پورے نہ کرے، وہ بے وزن اور بے قیمت بن کر رہے گا۔

فریضۂ دعوت کے سلسلے میں کچھ ایسی ہی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی سے مسلمانوں کی عزت، سربلندی اور شان وشوکت وابستہ ہے، ان کو اس کا اخروی انعام الگ ملے گا۔ لیکن آج مسلمانوں کے حالات، مسائل اور جن چیلنجز سے وہ دوچار ہیں اس حقیقت کو کھولنے کے لیے کافی ہے کہ وہ معتوبِ بارگاہ الٰہی ہیں۔ دنیا میں وہ تقریباً ایک سو اسی کروڑ کی تعداد میں ہیں۔ ان کے ساٹھ ممالک ہیں اور مختلف ممالک میں وہ اقلیتوں کی شکل میں بڑی تعداد میں ہیں۔ لیکن ان کی کوئی اہمیت تسلیم نہیں کی جاتی۔

- دین اور دین کی دعوت، مسلمانوں کی اصل شناخت ہے، دین کے تحفظ اور بقا کا راستہ بھی دعوت ہی کے بیچ سے گزرتا ہے۔ دعوت کے بغیر اندیشہ اس بات کا ہے کہ مسلمان اپنی شناخت گم کر بیٹھیں گے یا ان کی شناخت چھین لی جائے گی۔
- دعوت ایک اقدامی عمل ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلمان داعی کی پوزیشن اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر اقوام اور انسان مدعو بن جاتے ہیں۔ اس عمل کے نتیجے میں مسلمان ٹھیک اسی پوزیشن پر آجاتے ہیں جو اللہ کو مطلوب ہے۔ اس پوزیشن (داعی الی اللہ بننے) میں مسلمان پوری طرح اللہ کی حفاظت اور سرپرستی میں ہوتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی حفاظت کا خدائی انتظام ہے۔ مدعوئین کی سرپرستی شیطان کے پاس ہوتی ہے۔ وہ اگر حق قبول کر لیں تو ٹھیک ہے۔ ایسا نہ ہو اور داعی سے کش مکش ہونے لگے تو پھر یہ کش مکش داعی اور مدعو ہی کی نہیں، اللہ اور شیطان کی ہوتی ہے۔ اس میں ہار شیطان ہی کی ہوگی۔ یہ کش مکش برپا نہ ہو اور دوسری بنیادوں پر قومی، حریفانہ اور مفاد پرستانہ کش مکش میں وہ اللہ کی حمایت اور نصرت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ اکثریت کی تہذیبی جارحیت کا شکار ہونے سے خود کو نہیں بچا سکیں گے۔ اکثریتی تہذیب انھیں اپنا شکار بنا کر اپنے اندر ضم (Assimilate) کرنے کی کوششیں تیز کر دے گی۔
- دعوت اور دعوتی جدوجہد کے بغیر دین پر پوری طرح عمل اور اتباع رسولؐ کے تقاضے پورے کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ آج مسلمانوں کے اندر دین، دین داری، تقویٰ اور

اتباع رسولؐ کا نہایت محدود مفہوم پایا جاتا ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات اور اسوۂ رسولؐ سے اس کی تائید نہیں ہوتی، یعنی مسلمان دعوت سے عملی طور پر غافل اور رسول اللہؐ کی نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ محدود تصور دین میں عمل کا محرک اجر وثواب کا حصول ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں ہے۔ لیکن جامع تصور دین اجر وثواب کے محرک کے ساتھ انسانیت سے رشتہ قائم کرتا ہے۔ انھیں سب سے بڑے خطرہ عذاب جہنم سے بچانے کے لیے دعوت پر آمادہ کرتا اور ابھارتا ہے۔

داعی کے بجائے مدعو

داعی بن کر مسلمان اللہ کی نظروں میں انصار اللہ، حزب اللہ اور داعی الی اللہ کا مقام ومرتبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ جب وہ اپنی دعوت کو قول وعمل سے پیش کرتے ہیں تو ان کے علاوہ سب مدعو بن جاتے ہیں۔ اس دعوت کے مخاطبین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ داعی کو اللہ ان سب کی نظروں میں بڑا رتبہ، عزت واحترام عطا کرتا ہے۔ لیکن جب وہ دعوت سے غفلت برتتے ہیں اور محدود تصور دین پر عمل کر کے سمجھتے ہیں کہ اب دین کا کوئی اور کام ان پر باقی نہیں ہے، اس کے بعد وہ داعی کے مقام سے نیچے گر جاتے ہیں۔ پھر تو بہت ہی عبرت ناک صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کو الٹا دعوت دی جانے لگتی ہے۔ چنانچہ کوئی گروہ مسلمانوں کو گھر واپسی کی دعوت دیتا ہے۔ اور کوئی شدھی کرن کی۔ اس کے لیے مختلف سرگرمیاں انجام دی جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ آج بھی برابر جاری ہے۔ یہ تو پورے معاملے کا ایک پہلو ہے۔ اس کے علاوہ ان کو عیسائیت، قادیانیت، الحاد، کفر وشرک، وحدتِ ادیان اور باطل افکار اور نظریات کی طرف بلایا جاتا ہے۔ یہ دعوت کھلے عام دی جارہی ہے۔ ارتداد کے پروگرام بنائے جارہے ہیں۔ ان کی خواتین اور نوجوانوں کو مرتد بنانے کے خصوصی منصوبوں پر کام ہو رہا ہے۔

دعوتِ دین سے غفلت اور مسلمان

دعوت دین سے غفلت کے نتیجے میں شرک، الحاد اور کفر بڑھتا جارہا ہے۔ سماج پر اس

کے بدترین اثرات ظاہر ہورہے ہیں۔ایک لازمی نتیجہ انکار آخرت کی وجہ سے ہے۔قرآن مجید اوراحادیث میں بتایا گیا ہے کہ انکار آخرت کے بعد اخلاقی بگاڑ اپنی انتہا پر ہوگا۔اس کے علاوہ بیسیوں سماجی خرابیاں عام ہوتی چلی جائیں گی۔شراب، جوا، زنا، ناچ گانا، رقص وسرود کی محفلیں، حتیٰ کہ بیویوں کے تبادلہ اور شب باشی کی مجلسیں بھی منعقد کی جاتی ہیں۔لیوان ریلیشن شپ اور ہم جنسیت کی ترغیب دی جاتی ہے۔اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔شرک اور کفر والحاد زدہ ماحول کے اثرات سے کوئی انسان کب تک خود کو بچا سکتا ہے؟ توحید اور دین کی دعوت دے کر لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے بجائے ان کی دعوت پر یا دعوت کے بغیر بھی جانے کا عمل شروع ہوگیا ہے۔کتنی ہی مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں سے علی الاعلان شادیاں کررہی ہیں۔یہاں تک کہ اسلام چھوڑ کر مشرکانہ اور ملحدانہ زندگی بسر کررہی ہیں۔کتنے مسلم لڑکے ہیں جنھوں نے غیر مسلم لڑکیوں سے شادی کرلی ہے۔غرض یہ کہ بعض عدالتوں کے افسوس ناک فیصلے (ہم جنسیت، زنا وغیرہ کے بارے میں) خاندانی نظام، مذہبی اقدار اور شرم وحیا کو ختم کردیں گے۔اگر دعوت کا کام کیا گیا ہوتا تو اس کے اثرات وکلا، ججوں، صحافیوں، پولیس اور دانش ور حضرات پر پڑتے اور ہر جگہ ان لوگوں کا رویہ معقول ہوتا۔غور کرنے کی ضرورت ہے کہ موجودہ خرابیوں اور ہمہ گیر بگاڑ کے لیے ایک اعتبار سے مسلمان ذمہ دار ہیں۔دوسری طرف اس کے سنگین اثرات اور نقصانات سے وہ خود اپنے آپ کو بچانے میں ناکام ہیں۔وقت اور حالات نے ایسے مسائل اور فتنے پیدا کردیے ہیں کہ مسلمانوں کو کوئی راہ نجات نظر نہیں آرہی ہے۔مسلمانوں کو یقین کرنا چاہیے کہ جس دعوت سے غفلت نے یہ دن دکھائے ہیں اسی دعوت کو پوری قوت سے انجام دے کر مسائل اور فتنوں سے بچا جاسکتا ہے۔

دعوت سے غفلت کا ایک نتیجہ کتمانِ حق کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔یعنی حق کو پہنچانے، عام کرنے اور اپنے قول وعمل سے اس کی انسانوں پر کھلی شہادت دینے کے بجائے وہ اس معاملے میں کوتاہی اور تساہلی کا شکار ہوجاتے ہیں، حتیٰ کہ روزانہ ہزاروں انسان یہ جانے بغیر مرجاتے ہیں کہ آخر اللہ نے ان کو کس مقصد سے پیدا کیا تھا؟ اس کی توحید کیا ہے؟ اس کے آخری پیغمبر کون ہیں؟ اور ان کا پیغام اور تعلیمات کیا تھیں؟ کیا یہ کوتاہی اور غفلت جرم عظیم نہیں ہے؟ مزید جرم یہ ہے کہ

ان سب حقائق اور تعلیمات سے مسلمان خود بھی پوری طرح فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔

امانت میں خیانت

دعوت کے ذریعہ انسانوں کی سب سے بڑی اور بنیادی ضرورت اللہ کی ہدایت و رہ نمائی کا حصول ہے۔ دین اور اللہ کی کتاب قرآن مجید، اللہ کے پیغمبر اور ان کی تعلیمات پر صرف مسلمانوں کی اجارہ داری نہیں ہے۔ یہ کسی فرد یا گروہ کی انفرادی ملکیت نہیں ہے۔ ہمیشہ سے اللہ نے ان کو سورج، ہوا اور پانی کی طرح تمام انسانوں کے لیے عام کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے آج اسلام، قرآن مجید اور حضرت محمدؐ کی تعلیمات اور ارشادات ایک عظیم امانت ہے جو مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ یہ امانت برادران وطن کی ہے۔ انھیں اب تک پہنچا دینا چاہیے تھا لیکن کاش کہ ایسا ہوتا۔ امانت مادی، روحانی و اخلاقی دونوں طرح کی ہو سکتی ہے۔ امانت میں خیانت کرنا جرم عظیم ہے۔ لیکن اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کی دعوت اور قرآن مجید تو ایسی امانت ہے کہ برادرانِ وطن تک نہ پہنچے تو ان کے لیے جہنم کا خطرہ ہے۔

اس لیے مسلمانوں کی طرف سے ترجمۂ قرآن مجید، سیرت رسولؐ اور اسلامی کتب کا سیٹ کم سے کم برادران وطن کی منتخب اور با اثر شخصیتوں سے ملاقات کر کے ضرور پہنچا دینا چاہیے۔ انھیں بتا دینا چاہیے کہ یہ ان ہی کی امانت تھی، جسے پہنچانے میں بہت تاخیر ہوئی ہے، وہ معاف کر دیں۔ مسلمانوں کے اس طرز عمل سے برادران وطن بے حد متاثر ہوں گے۔

امانت میں خیانت کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مسلمانوں میں انتشار، مسلکی و جماعتی تعصّبات اور تنگ نظری پیدا ہو گئی ہیں، حتیٰ کہ وہ کبھی کبھی کسی خاص مسلک اور کسی خاص طرز فکر کی طرف بھی دعوت دینے لگتے ہیں، جب کہ دعوت صرف اسلام کی دینی چاہیے۔ ایسی مثالیں بھی سامنے آئی ہیں کہ قبول حق کے بعد ہدایت یافتہ فرد کو کوئی مخصوص مسلک اختیار کرنے کے لیے مجبور کیا گیا، جس سے وہ پریشان ہو گیا اور اصل دین چھوڑ دینے تک کی نوبت جا پہنچی۔ آخرت میں پوچھا جائے گا کہ کس دین پر تھے؟ وہاں کسی خاص مسلک یا مکتب فکر کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

غرض یہ کہ فریضۂ دعوت ملت کے مقدو متفق ہونے کی مضبوط بنیاد ہے۔دعوت آج کے حالات میں فرض عین ہے اس لیے مسلمان اس فریضہ کو ادا کرنے کے لیے یکسو ہو جائیں۔

فریضۂ دعوت کی ادائیگی، برادران وطن کے اندر مسلمانوں کے لیے قدر، احترام اور محبت کے جذبات پیدا کردے گی۔آج نفرتوں، تعصّبات اور فرقہ وارانہ کشیدگی، ظلم وستم کے خاتمہ کا طریقہ اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں قانون سازی نہیں ہے۔کوئی سیاسی تدبیر اس کے لیے مفید نہیں ہوسکتی۔اس کے لیے واحد تدبیر دعوت دین ہے۔مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی اس خدائی تدبیر پر ابھی تک عمل نہیں کیا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعین نے جہاں بھی مختلف اقوام کو دعوت پیش کی، ان قوموں نے انھیں بہت عزت اور احترام سے دیکھا اور ان کے ساتھ اچھا طرزِ عمل اختیار کیا۔دعوت مسلمانوں کو اقوام عالم کے درمیان قیادت اور امامت کے مقام پر لے جاتی ہے۔

دعوت اسلاموفوبیا کے پروپیگنڈے کا جواب ہے

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اسلاموفوبیا مہم کے تحت غلط پروپیگنڈے کا تذکرہ گزر چکا ہے۔فرض کریں، کسی مسلمان یا مسلمانوں کی کسی آبادی کے خلاف بے بنیاد الزامات لگا دیے جائیں اور ان کو دشمن بنا کر پیش کیا جائے تو ان مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہونی چاہیے؟ یہی کہ وہ آگے بڑھ کر اس پروپیگنڈے کا سدِّ باب کریں۔صحیح صورت حال سب کے سامنے واضح کردیں۔جھوٹے الزامات اور غلط پروپیگنڈے کو اپنے ذرائع سے صاف کردیں۔ان کے لیے نہ تو خاموش رہنا ٹھیک ہے اور نہ لڑائی جھگڑا کرنا، یا مرعوبیت اور مداہنت کا شکار ہونا مناسب ہے۔

موجودہ حالات میں دعوت ہی اسلاموفوبیا مہم کا صحیح جواب ہے۔مسلمان نہ تو مشتعل ہوں، نہ مرعوب ومتاثر اور ناامید یا مایوس ہوں، بلکہ اللہ پر اعتماد اور خود پر اعتماد کے ساتھ دعوت الی اللہ کے لیے آگے بڑھیں۔ان شاء اللہ یہ سارا پروپیگنڈہ ختم ہوگا اور ملک کی فضا ان کے حق میں ہموار ہوجائے گی، ان شاء اللہ۔

فریضۂ دعوتِ دین اور مسلم خواتین

اللہ تعالیٰ نے دعوت دین کا فریضہ صرف مردوں پر عائد نہیں کیا ہے بلکہ خواتین پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ دین کے فرائض وواجبات مردوں کی طرح خواتین کے لیے بھی ضروری ہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، شہادت علی الناس، دعوت دین اور اقامت دین کا کام خواتین کے ذمہ بھی اسی طرح ہیں جس طرح مردوں کے لیے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خواتین گھر اور اولاد کی ذمے داری ادا کرتے ہوئے یہ کام کریں گی۔ ان کا دائرہ کار خواتین ہی ہوگا۔

اس سلسلے میں بعض قرآنی آیات ملاحظہ کریں:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبۃ:۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم ودانا ہے۔''

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ

وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ (الاحزاب:۳۵)

''بایقین جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

مسلم خواتین کی دعوتی ذمہ داریاں مردوں کے تابع نہیں ہیں، بلکہ دعوت اسلامی کا فریضہ ان پر بھی مردوں کی طرح عائد ہوتا ہے۔ بسا اوقات خواتین اس سلسلے میں مردوں پر سبقت لے جاتی ہیں۔

دعوت اسلامی کے ابتدائی دور میں شروع ہی سے خواتین کا رول خاصا اہم اور بھرپور رہا ہے۔ قبول اسلام، اسلام پر صبر واستقامت، جان و مال کی قربانیاں، دعوت کی راہ میں پہلی شہادت، ہجرتِ حبشہ اول و دوم اور ہجرتِ مدینہ، غزوات، شعب ابی طالب اور مدینہ میں اسلامی معاشرے کی تعمیر سے لے کر دعوت، اقامتِ دین اور غلبۂ دین تک کا کوئی کام اور کوئی مرحلہ ایسا نہیں ہے جہاں خواتین نے سرگرم رول ادا نہیں کیا ہے، بلکہ انھوں نے مردوں کے مقابلے میں بیش قیمت اور غیر معمولی رول ادا کیا ہے۔ دعوت دین کے آغاز سے لے کر اقامت دین کے غلبے تک کے سفر میں صحابیات کے عظیم کارنامے ہیں، جن کے تذکروں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

مسلم خواتین کی صورت حال

آج مسلم خواتین کا سرسری طور پر دینی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا معاملہ مردوں سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔ محدود تصور دین کی حامل، خاندانی رسم و رواج میں جکڑی اور، دینی تعلیم سے محروم ہیں۔ شادی کے بعد بھی اس صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ بہت سی غیر اسلامی روایات جو آبا سے چلی آرہی ہیں وہ اصل دین و شریعت کی جگہ لے لیتی ہیں۔

بدعات وخرافات کا زور ہے۔ بے پردگی اور جہالت عام ہے، ان کی ایک محدود تعداد ہی نماز، روزہ اور دیگر فرائض کی پابندی کرتی ہیں، خواتین میں دعوت کے کام کا دور دور تک کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ غیر مسلم خواتین سے ان کے تعلقات یا روابط بالکل نہیں ہیں۔ ان میں یہ بات پھیلا دی گئی ہے کہ ترجمہ سے قرآن مجید کو نہیں پڑھنا چاہیے۔ تمام مسلم خواتین ایک سطح پر نہیں ہیں، کچھ اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلم خواتین ہیں، کچھ درمیانی طبقہ کی معمولی تعلیم یافتہ ہیں۔ اس کے بعد بہت بڑی تعداد میں وہ خواتین ہیں جو بالکل ان پڑھ رہ گئی ہیں۔ ان سب کے نزدیک غیر مسلم خواتین کے متعلق وہی تصورات (کافر، مشرک، ملحد) پائے جاتے ہیں۔ مردوں کی طرح ان سے دوری اور بے تعلقی عام سی بات ہے۔ وطنی خواتین سے کسی ضرورت یا مجبوری کی بنا پر ملاقات (اسکول، اسپتال، دکان، فارمیسی وغیرہ) ہوجاتی ہے لیکن انہیں اسلام کا تعارف کرانا، ان سے میل جول بڑھا کر خوشی اور غم کے موقعوں پر ان کے ساتھ رہ کر خیر خواہ ہونے کی امیج بنانا۔ اس طرح کا تصور نہیں پایا جاتا۔ غیر مسلم خواتین اور ان کی آبادی کے متعلق مسلم خواتین کے اندر بعض غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پائی جاتی ہیں۔

مسلم خواتین کے اندر دین کے لیے بے پناہ جذبہ پایا جاتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت اور وفاداری کے معاملے میں وہ حساس ہیں۔ ان میں اچھی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اپنی بات کو پیش کرنے اور سمجھانے کا ان میں سلیقہ ہوتا ہے۔ بغیر کسی جھجھک اور مرعوبیت کے وطنی خواتین کو وہ دین کی باتیں سمجھا سکتی ہیں۔ مسلم خواتین کی عمومی اصلاح وتربیت کے سلسلے میں مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اب تک جن تنظیموں اور اداروں کے ذریعہ یہ کام ہو رہا ہے اس کے نتائج کافی حوصلہ افزا ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں صحابیات کے ذریعہ خواتین میں دعوت کا کام ہوتا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی جانب سے خواتین میں دعوتی کام کرنے کے واقعات اور مثالیں بہت کم ہیں۔ مرد حضرات آج وطنی خواتین میں کام نہیں کر سکتے، کیوں کہ شریعت نے منع کیا ہے۔ اس طرح مسلم خواتین، غیر مسلم مردوں میں دعوت کا کام نہیں کر سکتی ہیں۔ اس کے لیے شریعت نے حدود مقرر کر دی ہیں۔ خواتین کا دائرہ کار خواتین ہیں، البتہ خاندان اور معاشرہ کی تعمیر میں خواتین کے رول

کی بڑی اہمیت ہے۔

غرض یہ کہ آج کی صورت حال میں مسلم خواتین کو فریضۂ دعوت کے لیے تیار کرنا ضروری ہے۔ دعوت کے کام میں خواتین کو کہیں بھی مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ وہ ان ذمے داریوں میں مردوں کے برابر شریک اور شامل ہیں۔

دعوت اور صحابیات

صحابیات میں دعوتی جذبہ بہت زیادہ پایا جاتا تھا۔ قبول حق کے بعد وہ بے چین ہو جاتی تھیں کہ کیسے دوسروں تک دعوت پہنچائی جائے۔ دعوت کی خاطر وہ ہر طرح کی قربانیاں دینے کے لیے تیار و مستعد رہتی تھیں۔ قبول اسلام کے ساتھ ہی عرب جاہلی معاشرے میں ان کی پاکیزہ زندگیوں کا نمونہ اپنے اندر دوسروں کے لیے کشش رکھتا تھا۔ دوسری طرف انھوں نے کبھی دین کو اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا۔ اس ضمن میں حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کے قبول اسلام میں ان کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطابؓ کا کردار یاد رکھنا چاہیے۔ حضرت سمیہؓ راہ خدا میں پہلی شہید ہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے قبول حق کے بعد اپنا گھر، اپنے سارے وسائل اور اپنی پوری دولت، تجارت، اپنا آرام اور راحت سب کچھ قربان کر دیا۔

حضرت ام سلیمؓ کا دعوتی واقعہ بتاتا ہے کہ صحابیات کس طرح جذبۂ دعوت سے سرشار ہوتی تھیں اور ان کے اندر دعوتی کام کو انجام دینے کی حکمت اور صلاحیت کتنے اعلیٰ پیمانے پر پائی جاتی تھی۔

حضرت عائشہؓ اور ان کی بہن حضرت اسماءؓ نے ہجرت کے نازک موقع پر نہایت اعلیٰ درجہ کی سمجھ داری اور فراست کا ثبوت دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین میں دعوتی کام کی اہمیت کس قدر زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں خواتین کی دعوت، جہاد اور غزوات میں خدمات کے بہت سے واقعات ہیں۔ ایک عورت جب حق کو قبول کر لیتی ہے تو وہ پورے گھر اور خاندان کو بدل سکتی ہے۔

جنگ احد میں انتہائی نازک موقع پر، جب کہ حضورؐ چند صحابہ کے ساتھ میدان میں ڈٹے

ہوئے تھے، مسلمان سراسیمگی اور مایوسی کی حالت میں تھے اور رسول اکرمؐ کی شہادت کی افوہ اڑائی گئی تھی۔ حضرت ام عمارہؓ چند صحابہ کے ساتھ حضورؐ کی حفاظت کے لیے گھیرا ڈال کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے لگیں۔ ایسے نازک موقع پر دشمنوں کے نرغے میں ایک صحابیہؓ کا یہ عظیم کردار راہِ دعوت و جہاد میں ایک نمونہ ہے۔ چند مسلم خواتین کے ذریعے تاتاریوں میں جو اسلام پھیلا ہے اس کے بعد تاریخ کا دھارا بدل گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے کٹر دشمن تاتاری اسلام اور مسلمانوں کے حامی بن گئے۔

حضرت خدیجہؓ کا دعوتی واقعہ

حضرت خدیجہؓ کا آخری وقت ہے، وہ بستر مرگ پر تھیں۔ ان کی بچپن کی ایک سہیلی عیادت کے لیے پہنچی۔ اس نے اپنی دانست میں حضرت خدیجہؓ کو بے چارگی، بے کسی اور بے بسی کی حالت میں پایا۔ اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے دعوت دی کہ اسلام سے توبہ کرلو تو مرنے کے بعد شان دار طریقے پر جنازہ اور قبر کا بندوبست ہوجائے گا۔ حضرت خدیجہؓ تڑپ گئیں اور اپنی سہیلی کو دعوت دی۔ اپنی مالی قربانی کی بات آئی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی لازوال دولت دی ہے۔ دنیا اور مال یہیں رہ جائے گا۔ دین آخرت میں بھی کام آئے گا۔ شرک کو چھوڑا ہے۔ آخرت آنے والی ہے۔ شباب اور اس کی تمام رعنائیاں ختم ہورہی ہیں۔ موت کی منزل قریب ہے۔ آخرت کی فکر کرو۔ ایمان لے آؤ۔ حضرت خدیجہؓ نے اتنے درد وسوز سے یہ ساری باتیں سمجھائیں کہ سہیلی کے آنسو بھر آئے۔ اتنی متاثر ہوئیں کہ اسلام قبول کرلیا۔

راہ دعوت میں حضرت اسماءؓ کا کردار

ہجرت کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ گھر میں جمع سرمایہ جو تقریباً چھ ہزار درہم تھا، لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہؓ، جو نابینا تھے، اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، پوتیوں کے پاس تسلی کے لیے آئے اور کہنے لگے: افسوس، میرا خیال ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے جانے کا صدمہ تمھیں پہنچایا اور مال بھی شاید سب لے گیا کہ یہ دوسری تکلیف تم پر ڈال دی۔ حضرت اسماءؓ نے کہا: دادا

جان وہ تو بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ کہہ کر چھوٹی چھوٹی کنکریاں جمع کر کے گھر کے اس طاق میں بھر دیں جس میں ابوبکرؓ کے درہم رکھے ہوتے تھے۔ اپنے دادا کو وہاں لے کر گئیں اور پتھروں پر کپڑا ڈال کر دادا کا ہاتھ اس پر رکھ دیا۔ وہ مطمئن ہو گئے کہ ابوبکرؓ نے کافی مال چھوڑا ہے۔ کہنے لگے: خیر یہ تو اس نے اچھا کیا کہ اس سے تمہارا گزارہ ہو جائے گا۔

حضرت ام سلیمؓ کی دعوتی جدوجہد

حضرت ام سلیمؓ کے قبیلے کے ایک شخص ابوطلحہ نے انھیں نکاح کا پیغام دیا۔ ابھی تک ابوطلحہ ایمان نہیں لائے تھے اور ایک بت کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت ام سلیمؓ نے اپنے پہلے شوہر مالک بن نضر سے ان کے شرک کی وجہ سے علیٰحدگی اختیار کر لی تھی۔ اب انھیں کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ ایک دوسرے مشرک سے نکاح کریں۔ صاف انکار کر دیا اور کہا: میں تو اللہ واحد اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائی ہوں۔ افسوس ہے تم پر کہ تم جس خدا کو پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے، جو زمین سے اگا ہے اور اس کو فلاں حبشی نے گھڑ کر تیار کیا ہے۔ میں خدائے واحد کی پرستار اور تم خود ساختہ بتوں کے پجاری، جو کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ بھلا میرا تمہارا میل کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ باتیں ایسے دل نشین انداز میں بتایا کہ ابوطلحہ کے دل میں اترتی چلی گئیں۔ وہ کچھ دن غور کرنے کے بعد ام سلیمؓ کے پاس آئے اور کہا: مجھ پر حق واضح ہو گیا ہے، اب میں تمہارا دین قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت ام سلیمؓ ان سے نکاح پر تیار ہو گئیں اور کہا کہ میرا مہر اسلام ہوگا۔

وطنی بہنوں کی صورتِ حال

وطنی بہنوں کا طبقہ مختلف مذاہب وعقائد کے ماننے والوں اور مختلف رسوم ورواج اور تہواروں کو منانے والوں پر مشتمل ہے۔ ان کے درمیان مشترک بات شرک اور مختلف چیزوں کی پوجا و پرستش ہے۔ ان میں تعلیم زیادہ عام ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کا بڑا حصہ اپنے مذہب سے جذباتی لگاؤ اور عقیدت رکھتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ آبائی مذہب کا ہونا ہے۔ لیکن ان کی عملی زندگیوں پر مذہب کی گرفت نہیں ہے۔ جدید تعلیم کی وجہ سے مغربی نظریات اور تہذیب کے

اثرات کا غلبہ ہے۔ان کی مذہبی زندگی کا خلاصہ بیان کیا جائے تو وہ ان امور پر مشتمل ہوگا: مذہب کی کچھ رسومات اور آبائی رواجوں کی پابندی، مذہبی تہواروں کو منانا۔مندروں، یاتراؤں اور تیرتھ استھانوں کی زیارت، روحانی تسکین کے لیے روحانی باباؤں کے زیر اثر زندگی گزارنا۔ان میں بعض خواتین انسانی حقوق کے لیے ادارہ جاتی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں۔بعض وہ خواتین ہیں جو رفاہی خدمات کے لیے این جی او قائم کر کے سرگرم عمل ہیں۔سماجی سرگرمیوں کے طور پر مختلف خدمات انجام دیتی رہتی ہیں۔ان کا ایک بڑا طبقہ ایسی خواتین پر بھی مشتمل ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باعث بڑی اور پرکشش ملازمتوں پر فائز ہو کر زندگی بسر کر رہی ہیں۔ان کا مقصد، زندگی میں خوش حالی، عیش وعشرت اور زندگی کو انجوائے (Enjoy) کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ایک طبقہ فرقہ پرست اور فسطائی تنظیموں سے وابستہ ہو کر اسلاموفوبیا کا شکار ہو گیا ہے۔ یہ طبقہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرم ہے۔ان کی بعض سرگرمیاں دیکھ کر ہر امن پسند اور انسان دوست آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔کیوں کہ غلط فہمیوں پر مبنی ذہن کی وجہ سے شدید نفرت اور دشمنی کا زہر گھولنے کا کام کرتی ہیں بالخصوص نئی نسل کے لڑکے اور لڑکیوں کے ذہنوں کو زہر آلود کرنے کا کام وہ مسلسل کرتی رہتی ہیں۔

عام وطنی خواتین کو اپنے مذہب سے آبا پرستی کی وجہ سے لگاؤ ہے۔اس کے تقاضے پورا کرتے رہنا ہی مذہبی زندگی کے لیے کافی ہے۔ان کے نزدیک مذہب پر چلتے رہنا ضروری اور کافی ہے۔مذہب بدلنے کی چیز نہیں ہے۔

وطنی بہنوں کی مذہبی زندگی کا ایک اہم اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ مذہبی کتابوں سے ان کا کوئی زیادہ تعلق نہیں رہا ہے۔ ہندو خواتین میں گیتا کے مطالعہ کا رجحان تھوڑا پایا جاتا ہے۔ چار ویدوں کو کروڑوں میں سے کسی ایک نے دیکھا ہوگا۔تعلیمی زندگی میں اگر کسی نے بین المذاہب کورس لے رکھا تھا تو کچھ مذہبی کتب کا مطالعہ کیا ہوگا ورنہ باقی خواتین کتابیں دیکھتی ہی نہیں ہیں۔ رامائن اور مہابھارت ٹی وی سیریل کی وجہ سے اور مذہبی پروگراموں میں رامائن اور گیتا پاٹھ ہوتے ہیں، بس اس قدر کتابوں سے ان کا تعلق ہے۔مجموعی طور پر دیکھا جائے تو وطنی بھائیوں سے زیادہ وطنی بہنیں اپنے مذہب پر عمل کرتی ہیں۔

وطنی خواتین میں ذات پات کے نظام کی بندشیں ماضی کے مقابلے میں کمزور ہوئی ہیں۔اس کے اسباب میں سب سے اہم سبب تعلیم کا عام ہونا ہے۔اسی کے نتیجے میں مذہبی تنگ نظری اوراونچ نیچ، چھوت چھات میں بھی کمی ہوئی ہے، بلکہ مذہبی کشادگی اورروا داری میں اضافہ ہوا ہے۔ملک میں دیگر سماجوں کی طرح یہ خواتین بھی مردوں کی بالادستی، ظلم وستم اوراستحصال کا شکار ہیں۔

اسلام کے بارے میں ان کے اندر عام طور سے یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھتا ہے۔ان پر ظلم وجبر کرتا ہے۔اس غلط فہمی کی بنا پر وہ مسلمان عورت کو مظلوم اورمردوں کے استحصال کا شکار سمجھتی ہیں۔لیکن ان کے سامنے جب صحیح بات پیش کی جاتی ہے تو وہ متاثر ہوتی ہیں اوراسلام کے بارے میں اپنی غلط معلومات سے رجوع کرلیتی ہیں۔

وطن بہنوں کے سماجی مسائل بھی دیگر سماج کے خواتین کے مسائل کی طرح کافی سنگین ہیں۔ مثلاً جہیزی اموات، مادررحم میں دختر کشی ،بیواؤں کی حالتِ زار،گھریلو تشدد ،گھروں میں مردوں کے اندرشراب کے استعمال کا عام ہونا، بے پردگی،عریانیت،مخلوط مجلسوں کی خرابیاں اورطلاق وخلع کا اختیار مرد وعورت کو نہ ہونا۔یہ اختیار عدالت کو حاصل ہے۔

ان سب کے باوجود وطنی بہنوں میں اسلام کے سلسلے میں ایک تجسّس پایا جاتا ہے۔ اسلام اورمسلم مخالفانہ پروپیگنڈے نے ایک طلب پیدا کردی ہے کہ آخر سمجھیں تو سہی کہ اسلام کیا ہے؟عورت کے سلسلے میں اس کی تعلیمات کیا ہیں؟مسلمان عورت کے حقوق ہیں بھی یا نہیں؟ اگر ہیں تو کیا ہیں؟

چنانچہ دعوت کا کام کرنے والی خواتین کے لیے وطنی بہنوں کی موجودہ صورت حال زبردست مواقع فراہم کرتی ہے۔ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔غرض یہ کہ ہندو مذہب جو زندہ ہے انہی وطنی بہنوں کی مذہبی دل چسپی اورسرگرمیوں کی وجہ سے زندہ ہے۔

وطنی بہنوں میں دعوتی کام کی اہمیت کے بعض پہلو

اس ملک میں دعوت کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مردوں کے ساتھ خواتین نے بھی

حق کو قبول کیا ہے۔ موجودہ دور میں بھی اسلاموفوبیا کا بڑا ہدف مسلمان عورت اور اس کے حقوق ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ خواتین پوری دنیا میں مردوں سے زیادہ قبول حق کر رہی ہیں۔ ان میں بعض بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، مثلاً کملا ثریّا (کیرلا)، ایون ریڈلے (انگلینڈ)، سعودی عرب میں برطانوی سفیر کی اہلیہ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام مخالف پروپیگنڈے کے برعکس جب ان خواتین نے قرآن مجید کا ترجمہ سے مطالعہ کیا، یا مسجد اور نماز کے منظر کا مشاہدہ کیا، یا رمضان اور روزہ کی عبادات نے ان کو متاثر کیا تو وہ اسلام کے قریب ہوگئیں۔ مزید علم اور تحقیق کے بعد ان کی ساری غلط فہمیاں دور ہوگئیں اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔

قبول حق کے بعد مشاہدہ بتاتا ہے کہ یہ خواتین بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتی ہیں اور اس راہ میں ہر طرح کی محرومی کو گوارا کرلیتی ہیں۔ صبر اور استقامت کا ثبوت دیتی ہیں۔ اگر ان کی مناسب دینی تعلیم اور تربیت کا انتظام کیا جائے تو وہ دین پر عمل کے ساتھ ایک داعیہ بن کر کام بھی کرتی ہیں۔

اس حقیقت کے پیش نظر وطنی خواتین میں اسلام کے تعارف اور اس سے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ کا معقول انتظام ہونا چاہیے اور اس کا بہترین طریقہ دعوت ہے۔

وطنی بہنوں کے مسائل کا حقیقی حل

ملک میں کسی بھی مذہب کے ماننے والے سماج میں خواتین کو لے کر کچھ نہ کچھ مسائل ہوتے ہیں۔ لیکن وطنی خواتین کے سنگین مسائل الگ نوعیت کے ہیں۔ ان کے سلسلے میں ملک میں قانون سازی ہوتی ہے لیکن وہ بالکل بے اثر ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ یہ مسائل قانون سازی سے حل نہیں ہوں گے بلکہ یہ ذہن سازی سے حل ہوں گے۔ عورت کی قدر اور اس کا احترام، اس کے حقوق کے تحفظ کا مسئلہ سماجی اور غلط سوچ کا مسئلہ ہے۔ اس کا حل سوچ کو درست کرنا ہے۔ یہ کام انسانی فکر و فلسفہ اور دیگر مذاہب کے بس کا نہیں، وحی الٰہی کا ہے۔ چنانچہ دعوت واحد حل ہے۔ جب تک یہ دعوت عام نہیں ہوگی، چاہے جتنے قوانین بنالیے جائیں، عدالتیں قائم کرلی جائیں، لیکن مسائل حل نہ ہوں گے۔ مثلاً جہیزی اموات اور خودکشی، جبری عصمت دری،

زندہ جلادینا، رحم مادر میں دختر کشی، طلاق کی گنجائش نہ ہونے پر چھٹکارا پانے کی غلط کوششیں، بیواؤں کی حالت زار وغیرہ۔ ویسے کسی نہ کسی درجے میں یہ مسائل دیگر مذاہب کے پیروؤں میں بھی ہیں۔ غرض ان سب کا حل ایک ہی ہے اور وہ دعوت ہے۔

ان مسائل کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ صرف مردوں کے قبول حق اور خواتین کے عدم قبول کے نتیجے میں خاندانی اور معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ کہیں رشتۂ زوجیت کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ کہیں بچوں کی تولیت کا اور کفالت کا مسئلہ۔ کہیں دوسرے رشتوں پر پڑنے والے اثرات۔ غرض یہ کہ دعوت وطنی خواتین میں عام ہونے لگے اور مردوں کے ساتھ وہ بھی قبول حق میں پیچھے نہ رہیں تو ان مسائل کے حل میں مدد ملے گی۔

وطنی بہنوں میں دعوت کی کام یابی کے امکانات

وطنی خواتین میں دعوت کے کام کے سلسلے میں اب تک جو کوششیں ہوئی ہیں ان کے نتائج حوصلہ افزا ہیں۔ یہ خواتین اسلام کو پسند کرتی ہیں۔ انھیں نماز، رمضان کے روزے پسند آتے ہیں۔ حجاب کا سسٹم بھی ان کو اچھا لگتا ہے۔ بعض خواتین سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ توحید کی تعلیم نے ان کو متاثر کیا، ترجمۂ قرآن پڑھ کر متاثر ہوئی ہیں، انٹرنیٹ پر تقاریر اور نعتوں نے متاثر کیا ہے۔ غرض یہ کہ اسلام کی تعلیمات میں سے کوئی تعلیم، کوئی اسلامی قدر ان کو متاثر کرتی ہے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب ان تک دعوت پہنچائی جائے اور وہ کچھ مطالعہ کریں۔ ایک وطنی خاتون ترجمۂ قرآن کی تلاش میں تھیں۔ لیکن شہر کے برادران وطن کی کتابوں کی دکانوں میں ان کو کہیں نہیں ملا۔ بالآخر ایک پروگرام میں جماعت اسلامی کے کارکنوں نے ان کو ترجمۂ قرآن دیا تو بے اختیار قرآن کو سینے سے لگا کر کہنے لگیں کہ جس کتاب کا مجھے ایک مدت سے انتظار تھا وہ مجھے آج ملی ہے۔ میں نے اس کے لیے تمام دکانیں چھان ماری تھیں۔

عہد نبویؐ کا ایک واقعہ اس سلسلے میں بہت اہم ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی اور وہ اس جگہ نماز پڑھا کرتے اور قرآن کی تلاوت کیا کرتے۔ جب آپ نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تو مشرکین کی عورتیں اور بچے اردگرد

جمع ہوجاتے۔ وہ سب تلاوت قرآن سے متاثر ہونے لگے۔ اس سے قریش کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ان کے بچے اور عورتیں فتنے کا شکار نہ ہوجائیں۔ آج کے ماحول اور مخالفت کے دور میں بھی قرآن کے اندر یہ تاثیر بدستور باقی ہے اور تا قیامت باقی رہے گی۔ اگر قرآن انھیں سنایا جائے اور اس کا ترجمہ سنایا جائے تو وہ ضرور متاثر ہوں گی اور دین حق کے قریب ہوں گی۔

مسلم خواتین کو دعوت کے لیے تیار کرنا

بظاہر موجودہ حالات دعوت کے لیے ناسازگار ہیں لیکن حقیقت میں سازگار ہیں۔ آج اسلاموفوبیا کا ماحول ہے۔ مسلم عورت کے حقوق پر خاص اعتراضات اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کا شور ہے۔ بہ ظاہر یہ رکاوٹ ہے لیکن حقیقتاً زبردست موقع (Opportunity) ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔ تھوڑی بہت علمی تیاری کرلیں۔ تعدد ازدواج (چار شادیاں)، طلاق، تین طلاق، خلع، حلالہ، وراثت، حجاب، عورت کی تعلیم اور حقوق وغیرہ کے ذریعہ اسلام کے خاندانی اور معاشرتی نظام کو اچھی طرح سمجھایا جاسکتا ہے۔ آج جو مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کا حل بتایا جاسکتا ہے۔ ان تمام تفصیلات کو جان لینے کے بعد مسلم خواتین میدانِ دعوت میں اتریں۔

مسلم خواتین کے اندر بہت اچھی صلاحیتیں ہیں۔ تعلیم یافتہ اور عام مسلم خواتین دعوت کے جذبے سے سرشار ہوں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچانے کی فکر اور تڑپ رکھتی ہوں تو دعوت کا کام کرسکتی ہیں۔ یہ غلط فہمی دور کرلینی چاہیے کہ دعوت کے کام کے لیے مخصوص صلاحیتیں یا ڈگری کی ضرورت ہے۔ ان کی زبان پر عبور حاصل کیے بغیر دعوت کا کام نہیں ہوسکتا۔ ایک ڈر یا خوف کی کیفیت ہوتی ہے کہ اب تک کبھی اس کام کو کیا نہیں ہے، اب کیسے کریں گے؟ جب کبھی اس کام کا شعور پیدا ہوا اس کو کیا گیا ہے۔ تو اس کے مثبت اور مفید اثرات محسوس ہونے لگے ہیں۔ ایک بار مسلم خواتین کو دعوتی کام کی اہمیت بتا کر ابتدائی ٹریننگ دی جائے اور فیلڈ میں بھیجا جائے تو وہ بہت جلد کام کو سنبھال لیتی ہیں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ عمدہ طریقے پر وہ دعوتی کام کو سنبھال سکتی ہیں۔ مسلم خواتین کے چند گھنٹوں پر مشتمل پندرہ روزہ یا ماہانہ دعوتی تربیتی اجتماعات رکھے جائیں۔ ان اجتماعات میں درس قرآن، درس حدیث اور تقاریر کے ذریعہ دعوت کی ذہن سازی کی

جائے۔ دو ڈھائی گھنٹہ کے لیے فیلڈ ورک بھی ضرور کرایا جائے۔ تھوڑی بہت دعوتی گفتگو کے لیے علمی تیاری بھی کرائی جائے، مثلاً توحید، رسالت، آخرت، انسانی مساوات، عورت کا احترام اور قدر وغیرہ پر مشتمل آیات، احادیث، واقعات ان کو بتائے اور نوٹ کرائے جائیں۔

خصوصی تیاری

وطنی خواتین کے اندر اسلام اور مسلمان عورتوں کے متعلق پائی جانے والی عمومی غلط فہمیوں کے ساتھ درج ذیل اعتراضات کے سلسلے میں مطمئن کرنے والے جوابات کی تیاری ضروری ہے۔ مثلاً:

• مسلم عورت کی حیثیت اور اس کے حقوق۔ • حجاب۔ • چار شادیاں۔ • مسلم مرد کو طلاق کا اختیار۔ • حلالہ۔ • مخلوط مجلس۔ • دینی مدرسہ و مسجد

ان اعتراضات کے سلسلے میں مسلم خواتین کو جواب دینے کے لیے تیار کیا جائے۔ حکمت، داعیانہ درد وسوز اور محبت ونرمی سے جوابات دینے کی صلاحیت مسلم خواتین کے اندر پیدا کی جائے۔ وطنی خواتین اسلاموفوبیا پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر اس طرح کے اعتراضات کرتی ہیں۔ جب ان کا وضاحتی جواب دیا جاتا ہے تو وہ مطمئن ہوجاتی ہیں، انھیں اس پر اصرار نہیں ہوتا کہ ان کی معلومات ہی درست ہیں، اس لیے وہ داعی کی وضاحت کو قبول نہیں کریں گی، ایسا بالکل نہیں ہے۔

بعض شہروں میں جماعت اسلامی ہند نے خواتین کو دعوتی گشت کے لیے بھیجا تو وطنی خواتین نے ان کا استقبال کیا۔ داعی خواتین کی باتوں کو دل چسپی اور توجہ سے سنا۔ فولڈر اور کتابچوں کو خوش دلی سے قبول کیا۔

اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کو مسلم خواتین درج ذیل نکات پر گفتگو کرکے اپنی بات سمجھا سکتی ہیں:

۱- انسانی زندگی کے لیے مذہب ناگزیر ہے۔

۲- خدائی مذہب کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں؟

۳- اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔

۴- عورتوں کے سلسلے میں اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟

سوشل میڈیا پر سب سے زیادہ اسلام کے تعلق سے گفتگو ہوتی ہے۔ اس لیے ان موضوعات پر تیاری ضروری ہے۔

جب بھی اسلام کا تعارف کرائیں، توحید (شرک)، رسالت (اوتارواد) اور آخرت (آواگمن) پر گفتگو کریں۔ اسلام کو مذہب کے طور پر نہیں، بلکہ دین، مکمل نظام زندگی اور شریعت کی حیثیت سے سمجھائیں۔ نیز انسانی زندگی کے مسائل کا حل اور امن وامان، عدل وانصاف کے قیام کا واحد راستہ بنا کر اخروی نجات کو سمجھائیں۔

عملی طریقے

یہ طریقے ابتدائی اور بنیادی قسم کے ہیں۔ ان کے بغیر اسلام کی بات پیش نہیں کی جاسکتی۔

کسی کو کوئی بات بتانے، سمجھانے اور وضاحت کرنے کے لیے اگر ان سے تعارف، تعلق اور ملاقاتوں کے ذریعہ کام کیا جائے تو زیادہ موثر اور مفید ہوتا ہے۔ مسلمان خواتین کے تعلق سے یہ امیج عام ہے کہ وہ صرف مسلم خواتین ہی سے ملتی جلتی ہیں۔ غیر مسلم خواتین سے ان کا کوئی ربط ضبط نہیں ہوتا۔

گویا نفوذ اسلام کے لیے ابتدائی کام یہ کرنا ہوگا کہ مسلم خواتین اپنے ذہن کو وطنی خواتین کے تعلق سے صاف کرلیں۔ ان کو کافر اور مشرک سمجھ کر ان سے دوری اختیار کرنا، نفرت کرنا، ان کی خیر خواہی اور بھلائی نہ چاہنا، یہ سب نفوذ اسلام کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لیے پہلا قدم تعارف اور تعلقات بنانے کا ہے۔

ایک طریقہ وطنی بہنوں کے ہاں خوشی، غم، حادثے، بیماری کے موقع پر جانا، ملنا اور بات چیت کرنا ہے۔ ان کو محسوس ہو کہ آپ ان کے ساتھ ہیں۔ مشرکانہ، مادہ پرستانہ اور آخرت سے منکر سماج ہمیشہ خودغرض اور سنگ دل ہوتا ہے۔ ایسے میں مشکل مواقع پر رشتہ دار اور دوست بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ دو بول ہمدردی کے اور دعا دے کر آپ ان کے خیر خواہ اور ان کے دل میں جگہ بنا سکتے ہیں۔

ایک اور طریقہ یہ ہے کہ تہواروں میں وطنی خواتین کے گھروں میں ایسے موقع پر جائیں جب وہ پوجا پاٹ سے فارغ ہو چکی ہوں۔ آپ شرک سے بچ کر ان کی خوشی میں شرکت کریں۔

ایک مفید طریقہ ان کے گھریلو مسائل میں دل چسپی لینا اور حسبِ ضرورت مشورے دینا ہے۔ مالی تعاون ہی سب کچھ نہیں ہے۔ مشورہ، ہمدردی اور دعا بڑی چیز ہے۔

جب بھی ان کے پاس جائیں تو کوشش کریں کہ ان کو دینے کے لیے کچھ مٹھائی یا پھل ہوں۔ ان کے حق میں ہدایت کی دعا کریں۔

آج کے دور میں اسلام کے نفوذ کے لیے سوشل میڈیا ایک زبردست ذریعہ ہے۔ لیکن اس کے استعمال میں بہت زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل چند باتوں پر دھیان دیں:

۱- وطنی بہنوں کے مذہبی تصورات، ان کے دیوی، دیوتاؤں اور مذہبی گروؤں، رہ نماؤں کا مذاق نہ اڑائیں اور انھیں برا بھلا نہ کہیں۔

۲- طنزیہ انداز اختیار نہ کریں، حقارت سے نہ دیکھیں اور کم تر خیال کر کے کوئی بات پوسٹ نہ کریں۔

۳- وہ اگر الزام لگاتے ہیں تو آپ جوابی الزام نہ لگائیں۔ منہ بند کرنا، چپ کر دینا، بحث میں شکست دینا اور مناظرانہ انداز اختیار کرنا دعوت کے لیے زہر کی طرح ہے۔

۴- آپ پوری مثبت باتیں درج کریں۔ منفی ردعمل نہ ہو۔ جذباتی نہ ہوں اور مشتعل نہ ہوں۔

دعوتی گفتگو کرنے سے پہلے یہ نہ سوچیں کہ ردعمل کیا ہوگا؟ ناراض ہوں تو کیا ہوگا؟ گفتگو کا پختہ ارادہ کر لیں۔ اللہ سے دعا مانگیں۔ گفتگو کے لیے ایک اچھا آغاز اس وقت ہوگا جب پہلے تعارف اور بات چیت کے ذریعے دوستی بنالیں۔ اس کے بعد ملاقاتوں اور بات چیت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔

اپنی انفرادی دعوتی کوششوں کو ادھورا یا درمیان ہی میں نہ چھوڑ دیں، بلکہ ان کوششوں کو ایک نتیجہ تک پہنچائیں۔ اس کے دوران مسلم خواتین کا اخلاق اور برتاؤ اسلامی تعلیمات کے

مطابق ہونا چاہیے۔ایک مشہور خاتون کملا ثریا جو کیرلا کی تھیں وہ اپنے مسلم پڑوسی سے متاثر تھیں۔ انگلینڈ کی مشہور صحافی ایون ریڈلے جن لوگوں کی قید میں تھیں ان کے بقول حسن سلوک اور حسن اخلاق نے قرآن پڑھنے پر آمادہ کیا اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔مثالی مسلم خاتون، مثالی اسلامی گھرانہ اور خاندان دعوت کے میدان میں ایک موثر ذریعہ ہے۔

جن وطنی بہنوں سے آپ کا ربط ہوتا ہے ان کو فولڈرس، کتابچے اور قرآن مجید مطالعے کے لیے دے سکتے ہیں۔ان کے لیے قبول حق کی دعا بھی کرنا چاہیے۔

مسلم خواتین درج ذیل اجتماعی پروگرام مقامی سطح پر منعقد کرنے کی ضرور کوشش کریں:

●عید ملن ●سیرت رسولؐ بعنوان محسن انسانیت یا محسن خواتین ●سمپوزیم ●مذاہب میں عورت کا مقام اور حقوق وغیرہ۔

سفر کے دوران پہلے تعارف حاصل کریں، پھر اپنا تعارف کرائیں اور گفتگو کا آغاز کریں۔سفر اگرچہ عارضی اور وقتی مرحلہ ہے لیکن دعوت کے لیے بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔ اس عارضی وقت کی ملاقات کو مستقل روابط میں بدلا جاسکتا ہے۔

کتابیات

قرآن مجید

۱-معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
۲-تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
۳-تفہیم القرآن	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۴-تدبر قرآن	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
۵-تفسیر روح القرآن	ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی

حدیث

۶-کلام نبوت (حصہ پنجم)	مولانا محمد فاروق خان
۷-ریاض الصالحین	
۸-سفینۂ نجات	مولانا جلیل احسن ندویؒ
۹-منتخب احادیث	
۱۰-زادراہ	مولانا جلیل احسن ندویؒ

سیرت

۱۱-سیرت النبیؐ [جلد اول]	علامہ شبلی نعمانیؒ
۱۲-سیرت سرور عالمؐ [جلد دوم]	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

۱۳-انسان کامل ؐ	ڈاکٹر خالد علوی
۱۴-سیرت رسول ؐ دروس ونصائح	ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی
۱۵-رحمۃ للعالمین ؐ	قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ
۱۶-داعی اعظم ؐ	مولانا محمد یوسف اصلاحی

دیگر کتب

۱۷-حالات حاضرہ اور مسلمان	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
۱۸-اسلام ایک نظر میں	مولانا صدرالدین اصلاحیؒ
۱۹-تحریک اسلامی ہند	مولانا صدرالدین اصلاحیؒ
۲۰-قصص القرآن	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
۲۱-دعوت دین اور اس کا طریقہ کار	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
۲۲-دعوت دین کا انبیائی اسلوب	مولانا سید سلیمان ندویؒ
۲۳-ہندوستان میں اسلام کی دعوت اہمیت اور تقاضے	مولانا سید جلال الدین عمری
۲۴-اسلام کی دعوت	مولانا سید جلال الدین عمری
۲۵-دعوت دین اہمیت اور تقاضے	جمیل احمدؒ
۲۶-دعوتِ حق	مولانا وحید الدین خاں
۲۷-دعوہ گائیڈ	عبدالسلام پوتیگے
۲۸-دعوت اسلام	پروفیسر محسن عثمانی
۲۹-داعی کے اوصاف	بنت الاسلام
۳۰-اسلام کی دعوت وتبلیغ	مولانا محمد سلیمان قاسمی
۳۱-صحابہؓ کا قبول اسلام	محمد اویس سرور

۳۲-حیات صحابہؓ کے درخشاں پہلو ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشاؒ

۳۳-دعوتِ دین کی راہ مصطفیٰ مشہودؒ

۳۴-'سہ ماہی حرا' حیدرآباد کا خصوصی شمارہ 'ہندوستان اور مسلمان' [جولائی-دسمبر ۲۰۰۱]

۳۵-سماجی مسائل اور اسلام محمد اظہر الدین

جناب محمد اقبال مُلّا (پ:۱۹۴۹ء) کا تعلق شہر 'گدگ' ریاست کرناٹک سے ہے۔ انھوں نے سائنس سے گریجویشن کے بعد اردو ادب سے پوسٹ گریجویشن کیا ہے۔ زمانۂ طالب علمی سے ہی وہ جماعت اسلامی ہند سے وابستہ ہوگئے تھے۔ انھوں نے تحریک اور جماعت مختلف ذمے داریاں انجام دیں: ۸۳-۱۹۸۵ء میں حلقۂ کرناٹک وگوا کے صدر ایس آئی او (اسٹوڈینس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا)، پھر جماعت اسلامی ہند کے معاون امیر حلقہ اور بعد میں ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۳ء تک حلقہ کرناٹک گوا کے امیر حلقہ رہے۔ اس کے بعد جون ۲۰۰۳ء سے تاحال مرکز جماعت میں سکریٹری شعبۂ دعوت کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

جناب محمد اقبال مُلّا تحریر وتصنیف کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ ان کے قلم سے دعوتی موضوعات پر متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ مثلاً: دعوتی کاموں کے لیے خطوطِ کار، جذبۂ دعوت کی آبیاری کیوں اور کیسے؟، وحدتِ ادیان کی حقیقت، پیغام حق کی ترسیل، محروم ومظلوم طبقات اور مسلمان، قرآن مجید ہر انسان کے لیے رہ نما کتاب، حق کی تلاش، آدی باسی سماج اور مسلمان، برادران وطن سے روابط کی اہمیت، دعوت دین اور اسلام کی امتیازی خصوصیات۔

یہ مصنف کی نئی کتاب ہے۔ اس میں فریضۂ دعوت دین کی قرآن مجید، احادیث رسولؐ اور اسوۂ رسولؐ واسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں اہمیت اور ضرورت واضح کی گئی ہے۔ حالاتِ حاضرہ میں مسائل کے حل اور مثبت تبدیلی کے لیے دعوت دین کا کیا رول ہے؟ اس اہم پہلو کو واضح کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر امید کی جاسکتی ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے فریضۂ دعوتِ دین کی اہمیت سے واقفیت کے ساتھ عملی طور پر اس کی ادائیگی کے لیے جذبہ پیدا ہوگا۔